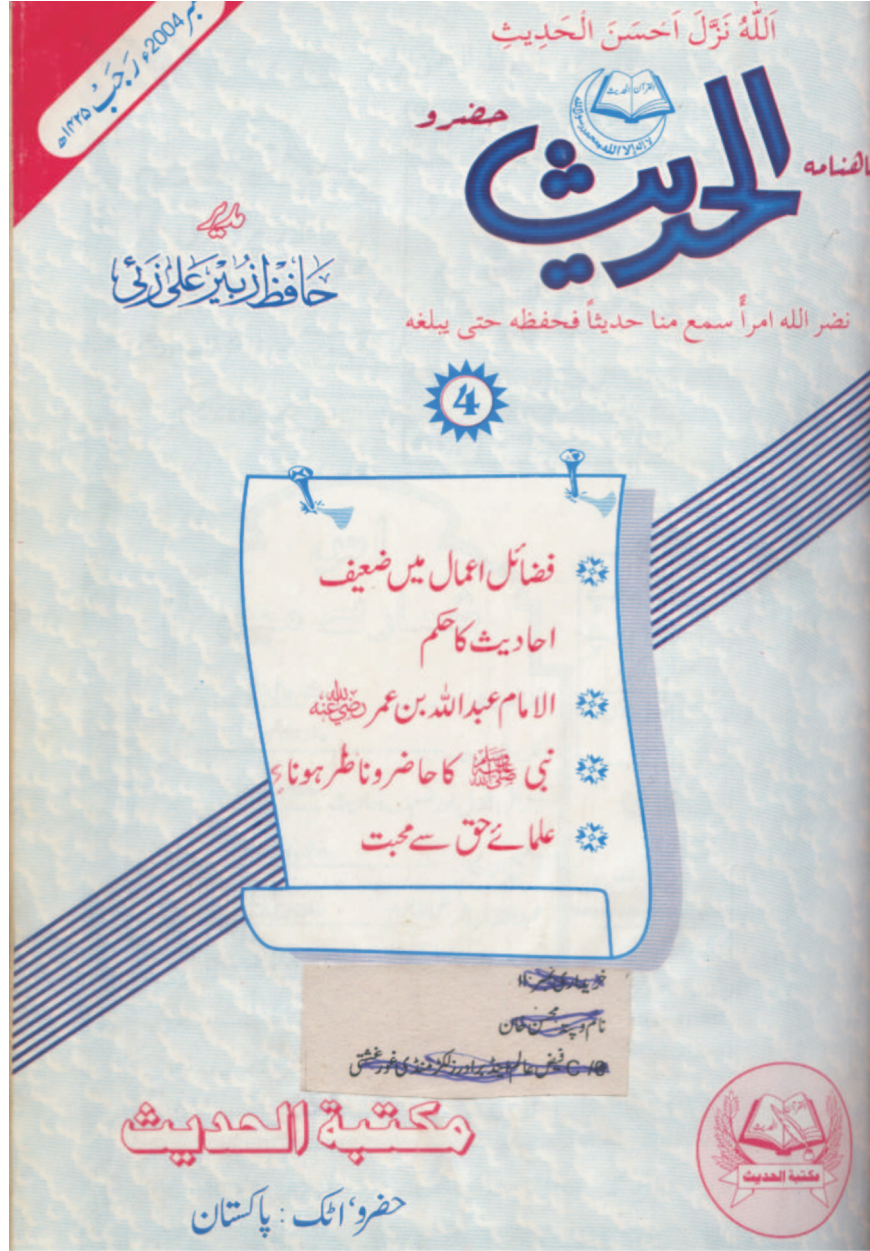


MAKTABA TUL HADITH HAZRO

By Alhadith at 5:10:52 AM, 2/9/2015



بسم اللہ الرحمن الرحیم

حافظ ندیم ظہیر

احسن الحديث

اہل جنت اور ان کے لیے انعامات

﴿وبشر الذين آمنوا وعملوا الصالحات ان لهم جنّ تجري من تحتها الانهار كلما رزقوا منها من ثمرة رزقا قالوا هذا الذي رزقنا من قبل واتوا به متشابهاً ولهم فيها ازواج مطهرة وهم فيها خالدون﴾
اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے۔ انہیں (جنت کے) باغات کی خوش خبری دے دیجئے۔ جن کے درختوں کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ جب انہیں (اہل جنت کو) اس میں سے کھانے کے لیے کوئی پھل دیا جائیگا (تو وہ) کہیں گے: یہ (پھل) وہی ہے جو ہمیں اس سے پہلے (دنیا میں) دیا گیا تھا۔ انہیں (دنیا کے پھلوں سے) ملتے جلتے (پھل) دیئے جائیں گے۔ اور وہاں (جنت میں) ان کے پاک و صاف جوڑے ہوں گے اور وہ اس (جنت) میں ہمیشہ رہیں گے۔
(البقرة: ۲۵)

فقہ القرآن :

- ۱: ایمان اور نیک اعمال دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ اقرار باللسان، تصدیق بالقلب اور عمل بالجوارح ایمان کی حقیقت ہے۔
- ۲: جنتی جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور دوسری آیات و احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ جہنمی جہنم میں ہمیشہ رہیں گے، لہذا جن لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ جنت اور جہنم بھی آخر فنا ہو جائیں گی، غلط اور باطل عقیدہ ہے۔
- ۳: دوسری آیات سے واضح ہے کہ یہ نہریں پانی، دودھ، شہد اور (پاک) شراب کی نہریں ہیں۔
- ۴: ”یہ پھل ہمیں پہلے دیا گیا تھا“ کی تشریح میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ”أي في الدنيا“ یعنی دنیا میں (تفسیر طبری: ۱۳۳/۱ وسند حسن)
- یہ پھل رنگت میں دنیا کے پھلوں جیسے لیکن مزے اور لذت میں انتہائی بے مثال و نرالے ہوں گے۔
- مفہر قرآن قائد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ”یشبہ ثمر الدنيا، غیر أن ثمر الجنة أطيب“ دنیا کے پھلوں سے مشابہ ہیں لیکن جنت کے پھل (دنیا کے پھلوں سے) کہیں زیادہ پاک و صاف (ومزیدار) ہیں (تفسیر عبدالرزاق: ۲۲ وسند صحیح)
- ۵: ازواج مطہرہ سے مراد یہ ہے کہ پیشاب، پاخانہ، گندگی اور ہر قسم کی برائی سے اللہ تعالیٰ نے انہیں پاک رکھا ہے دیکھئے (تفسیر عبدالرزاق: ۲۵ وسند صحیح)

حافظ زبیر علی زئی

فقہ الحديث

(۱) وعن أبي هريرة، قال: قال رسول الله ﷺ: ”الإيمان بضع وسبعون شعبة، فأفضلها:

قول لا إله إلا الله، وأدناها: إمالة الأذى عن الطريق، والحياء شعبة من الإيمان“

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایمان کے ستر سے اوپر درجے ہیں ان میں سب سے افضل: لا الہ الا اللہ ہے۔ ان درجوں میں سب سے کمتر درجہ: راستے سے (معمولی) تکلیف والی چیز ہٹانا ہے۔ اور حیاء ایمان کے درجوں میں سے ایک درجہ ہے۔ متفق علیہ (بخاری: ۹، مسلم: ۵۸/۳۵ واللفظ لہ)

فقہ الحديث :

۱: عربی لغت میں ”بضع“ کا لفظ: تین سے لے کر نو تک کے عدد پر بولا جاتا ہے۔ (القاموس الوحید ۱۶۹)

۲: بعض روایات میں ساٹھ سے اوپر درجوں کا ذکر آیا ہے (بخاری: ۹) ایک روایت میں چونسٹھ (ترمذی: ۲۶۱۴، ب، وأحمد ۲/۹۷۳ ح ۸۹۱۳ وسندہ صحیح، والقول بشذوذه قول شاذ) اور دوسری روایت میں: ہتر کا عدد آیا ہے:

(صحیح ابن حبان، الاحسان ۲/۸۱ ح ۲۰۲۱ او قال بمخبر غریب غریب، دوسرا نسخہ ۱/۸۱ ح ۲۰۷ او قال شعيب الأرنؤوط: إسناده صحيح على شرطهما)

بعض علماء کہتے ہیں کہ یہاں تحدید (حد بندی) مراد نہیں بلکہ کثرت مراد ہے، اور بعض علماء کہتے ہیں کہ: یہ سب الفاظ رسول اللہ ﷺ نے فرمائے ہیں جو کہ راویوں نے یاد رکھے ہیں، یہاں تین باتیں مد نظر ہیں:

اول: یہ درجات مختلف لوگوں کے احوال سے ہیں مثلاً انبیاء، صحابہ، تابعین، تبع تابعین، شہداء، صدیقین و صالحین کے ستر سے اوپر درجے ہیں، اسی طرح علماء اور عوام کے درجات میں بھی فرق ہے۔

دوم: بعض علماء کے نزدیک ایمان کے ان درجات میں سے بعض درجوں کی آگے ایک دو شاخیں ہیں، اس لحاظ سے جب ساٹھ سے زیادہ کا عدد بولا جائے گا تو اصل درجات مراد ہوں گے اور اگر ستر سے اوپر کا عدد بولا جائے گا تو بعض درجات کی شاخیں بھی شامل ہوں گی۔

سوم: بعض کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں ساٹھ سے اوپر درجات اور احادیث مطہرہ میں ستر سے اوپر درجات کا ذکر موجود ہے، لہذا جب ساٹھ کا لفظ بولا جائے گا تو کتاب اللہ کے درجے مراد ہوں گے اور ستر کے لفظ سے کتاب وسنت، دونوں کے درجات مراد ہوں گے، واللہ اعلم

- ۳: یعنی حنفی نے ایمان کے ستر درجات کے نام، شرح صحیح بخاری میں لکھ کر جمع کر دیے ہیں (عمدة القاری: ۱۲۸/۱، ۱۲۹/۱ ح ۹)
- ۴: ایمان کے ان درجات کے نام بالتفصیل معلوم ہونا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ یہی کافی ہے کہ آدمی قرآن وحدیث واجماع پر ایمان لے آئے۔ ایک مسلمان جب راستے سے ہڈی اٹھا کر راستہ صاف کر رہا ہوتا ہے تو یہ ایمان کا ایک درجہ ہے اگرچہ اسے یہ علم بھی نہ ہو اور وہ اسے نیکی کا ایک معمولی کام ہی سمجھتا ہو۔
- ۵: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ، ایمان، دل اور زبان کے اقرار کے ساتھ اعمال کا نام ہے۔ اسی پر تمام اہل حق کا اجماع ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:
- ”وتعتقد أن الإيمان قول باللسان ومعرفة بالجنان وعمل بالأركان، يزيد بالطاعة وينقص بالعصيان“ اور یہ عقیدہ رکھو کہ: ایمان نام ہے: (۱) زبان کے ساتھ اقرار (۲) دل کے ساتھ یقین (۳) ارکان کے ساتھ عمل (۴) اطاعت سے زیادہ ہوتا ہے (۵) اور نافرمانی سے کم ہوتا ہے۔ (غنیۃ الطالبین: ۱۰۹/۱)
- تقریباً یہی کلام وغیرہ شرح السنۃ للبغوی (۱۹/۱ ح ۳۹۱) وغیرہ میں لکھا ہوا ہے۔ قاضی عبدالرحمن دیوبندی صاحب فرماتے ہیں کہ: ”اور میری آخری تحقیق یہ ہے کہ حنفیہ بھی اعمال کو ایمان کا جزء مانتے ہیں“
- (فضل الباری شرح اردو: صحیح بخاری: ۳۱۷/۱، از افادات شبیر احمد عثمانی)
- ۶: ایمان کے مختلف درجے ہیں لہذا یہ زیادہ بھی ہوتا ہے اور کم بھی ہوتا ہے۔ عمیر بن حبیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:
- ایمان زیادہ ہوتا ہے اور کم (بھی) ہوتا ہے (کتاب الایمان لابن ابی شیبہ: ۱۴۰ وسندہ صحیح، الحدیث: ۲۳۲/۲ توضیح الأحکام)
- امام مالک، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، ابن جریر اور معمر کہتے تھے کہ: ایمان قول و عمل (کا نام) ہے، زیادہ ہوتا ہے اور کم ہوتا ہے۔ (کتاب الشریعۃ للاحقری ص ۱۱۹ ح ۲۴۳ وسندہ صحیح) یہی عقیدہ درج ذیل علماء سے بھی ثابت ہے:
- احمد بن حنبل، اوزاعی، وکیع وغیرہم (الشریعت ص ۱۱۹، ۲۴۰ اباً سانید صحیح) اور اس پر اہل حق: اہل سنت کا اجماع ہے۔
- ۷: حیاء کا ذکر یہاں بطور خاص اس لئے کیا گیا ہے کہ یہ ایمان کا ایک اہم ترین درجہ ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
- الحیاء لا یأتی إلا بخیر، حیائیک کے علاوہ کچھ بھی نہیں لاتا۔ (البخاری: ۳۱۱۷/۱ و مسلم: ۳۷)
- ایک روایت میں ہے: الحیاء خیر کلہ، ساری خیر (نیکی) حیاء ہے (مسلم: ۶۱/۲ و ترمذی: ۱۵۷)
- نیز آپ ﷺ نے فرمایا: إذا لم تستح فاصنع ما شئت، اگر تیرے اندر حیاء نہیں تو جو مرضی ہے کر۔ (البخاری: ۶۱۲۰)
- یعنی آخر میں تجھے عذاب ہوگا۔
- ۸: اس روایت میں محمد رسول اللہ ﷺ کا ذکر نہیں، مگر ثبوت شیء کے بعد اس کا عدم ذکر نفی کی دلیل نہیں ہوتا، دوسرے یہ کہ لا الہ الا اللہ کا لازمی تقاضا یہی ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لایا جائے، آپ ﷺ کی بعثت کے بعد، آپ پر ایمان کے بغیر لا الہ الا اللہ مکمل ہی نہیں ہوتا۔

اظہار خوشی مگر کیسے؟

کلمۃ الحدیث

حافظ ندیم ظہیر

غم و خوشی، رونا و ہنسنا، مشکلات و راحت اور مختلف نشیب و فراز، زندگی کا حصہ ہیں، لیکن انسان فطرتی طور پر خوشی حاصل کرنے میں جلد باز واقع ہوا ہے اور یہی عجلت پسندی اسے دنیا و مافیہا سے بے پروا کر دیتی ہے حالانکہ ”دین اسلام“ مکمل ضابطہ حیات ہے یہ دین جہاں حقوق اللہ و حقوق العباد کی ادائیگی کا پابند بناتا ہے وہاں اظہار خوشی میں بھی ادخلو فی السلم کافۃ کا درس دیتا ہے۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو جب (بھی) مسرور کن معاملہ پیش آتا یا آپ (ﷺ) کو، کوئی خوش خبری دی جاتی تو فوراً اللہ تعالیٰ کا بجالاتے ہوئے سجدہ ریز ہو جاتے۔

(ابوداؤد: ۴۷۷۴، ابن ماجہ: ۱۳۹۴، ترمذی: ۵۷۸، وقال: ”حسن غریب“)

حقیقی مومن خوش کن حالات میں ایمان کا سودا کرتا ہے غم کے موقع پر ہی ڈمگاہٹ (کمزوری) کا شکار ہوتا ہے۔
ارشاد نبوی ﷺ ہے:

”مومن آدمی کا بھی عجیب حال ہے کہ اس کے ہر حال میں خیر ہی خیر ہے اور یہ بات کسی کو حاصل نہیں سوائے اس مومن آدمی کے کہ اگر اسے کوئی خوشی پہنچی اور شکر ادا کیا تو بھی ثواب ہے اگر نقصان پہنچا اور صبر کیا تو بھی ثواب ہے۔“ (صحیح مسلم: ۲۹۹۹)

یہی طرز عمل ہمارے اسلاف کا تھا۔

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اپنی قبولیت توبہ کا واقعہ بیان کرتے ہوئے خوشخبری کا ذکر کرتے ہیں کہ: ”میں نے ایک پکارنے والے کی آواز سنی، جبل سلع پر چڑھ کر کوئی بلند آواز سے کہہ رہا تھا اے کعب بن مالک! تمہیں بشارت ہو یہ سنتے ہی میں سجدے میں گر پڑا“ (بخاری: ۴۴۱۸)

امام نووی فرماتے ہیں: یہ حدیث دلیل ہے کہ ہر نعمت کے حصول یا کسی مشکل سے چھٹکارے کے بعد سجدہ شکر مستحب ہے۔
(صحیح مسلم مع شرح نووی ۹۰/۱۷)

قارئین کرام: خوشی آزادی و شادی کی ہو یا میلاد النبی ﷺ کی مروجہ طریقہ کے مطابق اس کا جشن منانا قرآن و حدیث اور اسلامی شعار کے منافی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وما علینا إلا البلاغ

ترغیب و ترہیب اور فضائل اعمال میں ضعیف احادیث کا حکم

ترجمہ: حافظ عبد الحمید ازہر

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول (۱) ہے کہ حرام و حلال کا معاملہ ہو تو ہم سندوں میں سختی سے کام لیتے ہیں اور جب ترغیب و ترہیب کی بات ہو تو ہم اسانید میں تساہل برتتے ہیں۔ اسی طرح علماء کا جو طریق کار ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کر لیتے ہیں۔ تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے ایسی حدیث جو حجت اور دلیل نہیں بن سکتی اس سے استحباب ثابت ہو سکتا ہے اس لئے کہ استحباب شرعی حکم ہے لہذا شرعی دلیل کے بغیر ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں شرعی دلیل کے بغیر یہ خبر دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اعمال میں سے کسی خاص عمل کو پسند کرتا ہے تو وہ اللہ کے حکم کے بغیر دین میں شریعت سازی کر رہا ہے۔ اور یہ ایسے ہی ہے کہ کسی چیز کے وجوب یا حرمت کا فیصلہ دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء جس طرح باقی احکام میں باہم اختلاف کرتے ہیں استحباب کے متعلق بھی ان کی آراء مختلف ہوتی ہیں، بلکہ حقیقی اور منزل من اللہ دین کی بنیاد ہی یہ اصول ہے۔

ان حضرات کا مقصد صرف یہ ہے کہ جب کسی عمل کے متعلق نص شرعی یا اجماع سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ عمل ہے۔ مثلاً تلاوت قرآن، ذکر و تسبیح، دعاء و صدقہ، غلاموں کی آزادی اور لوگوں سے حسن سلوک وغیرہ یا ثابت ہو جائے کہ وہ عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں ناپسندیدہ ہے مثلاً جھوٹ خیانت وغیرہ، تو اس صورت میں ان ثابت شدہ اعمال کی فضیلت اور ان کے ثواب یا برے اعمال کی کراہت اور ان کے گناہ کے بارے میں

(۱) الکفایۃ للخطیب ص ۱۳۴، اس قول کی سند ابوالعباس احمد بن محمد السجری اور ابو عبد اللہ النوفلی کی وجہ سے سخت ضعیف ہے، دیکھئے لسان المیزان (۱/۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۱۶۷) الکفایۃ میں اس کا ایک ضعیف شاہد بھی ہے۔ خلاصہ یہ کہ امام احمد بن حنبل سے یہ قول ان الفاظ کے ساتھ ثابت ہی نہیں ہے کہ وہ فضائل اعمال میں تساہل کے قائل تھے، امام بیہقی نے امام احمد سے نقل کیا کہ: محمد بن اسحاق سے یہ حدیث لکھنی چاہئیں، گویا انہوں نے مغازی وغیرہ کی طرف اشارہ کیا، اگر حلال و حرام کا مسئلہ ہو تو ہم یہ چاہتے ہیں، عباس الدوری نے منشی بند کر کے بتایا (کہ ہم مضبوط احادیث چاہتے ہیں) (دلائل النبوة: ۱/۳۷۸، ۳۷۹ وسندہ صحیح)

تنبیہ: محمد بن اسحاق کے بارے میں راجح یہی ہے کہ وہ احکام میں بھی حسن الحدیث ہے۔

امام عبد الرحمن بن مہدی فضائل میں تساہل فی الامانید کے قائل تھے (المدخل الی کتاب الاکلیل للحاکم ص ۲۹ ودلائل النبوة: ۱/۳۷۸ وسندہ صحیح)

کوئی حدیث مروی ہو، تو اجر و ثواب اور سزا و عذاب کی مقدار اور انواع کے متعلق ایسی حدیث مروی ہو جس کے بارے میں ہم نہیں جانتے کہ وہ موضوع ہے تو اس صورت میں اس کو روایت کرنا جائز ہوگا، بایں معنی کہ انسان اس ثواب کی امید یا اس سزا کا خوف رکھے۔

مثال کے طور پر ایک شخص جانتا ہے کہ تجارت میں فائدہ ہے، لیکن اسے بات پہنچی کہ اس میں بہت زیادہ فائدہ ہے اگر اسے پہنچنے والی بات درست ہوئی تو اسے فائدہ پہنچے گا، اور اگر جھوٹ بھی ہوئی تو اسے نقصان نہیں ہوگا، یعنی اس قدر فائدہ نہیں ہوگا جتنا کہ اسے بتایا گیا تھا۔ اسے یونہی سمجھیں کہ جس طرح ترغیب و ترہیب میں اسرائیلی روایات خوابین، سلف کے مقولے علماء کے اقوال و واقعات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔ معلوم ہے کہ صرف ان امور سے کوئی شرعی حکم ثابت نہیں ہوتا نہ استحباب اور نہ کچھ اور، لیکن ترغیب و ترہیب، امید دلانے اور خوف دلانے کے لئے انہیں بیان کیا جاسکتا ہے۔

جن اعمال کا اچھا یا برا ہونا شرعی دلائل سے ثابت اور معلوم ہو تو یہ اضافی چیزیں فائدہ دیتی ہیں ضرر نہیں اور وہ حق ہوں یا باطل اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ تو جس کے متعلق معلوم ہو جائے کہ یہ باطل اور موضوع ہے تو اس کی طرف التفات جائز نہیں۔ اس لئے کہ جھوٹ سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اگر ثابت ہو جائے کہ وہ صحیح ہے تو اس سے احکام ثابت ہوں گے، اگر دونوں باتوں کا احتمال رکھے تو اسے روایت کرنا روا ہوگا کہ اس کے سچ ہونے کا امکان ہے اور جھوٹ ہو تو اس کا کوئی نقصان نہیں، امام احمد رحمہ اللہ نے یہی کہا ہے کہ ترغیب و ترہیب کا معاملہ ہو تو ہم اسانید میں تساہل سے کام لیتے ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ ہم اسے اسانید کے ساتھ روایت کر دیتے ہیں اگرچہ ان کے راوی اس قدر قابل اعتماد نہ ہوں جن سے حجت اور دلیل پکڑی جاتی ہے، اسی طرح جس نے کہا کہ فضائل اعمال میں ان پر عمل ہو سکتا ہے تو عمل تو اسی پر ہوگا جو ثابت شدہ نیک اعمال ہیں مثلاً تلاوت اور ذکر یا برے اعمال سے اجتناب۔

نبی ﷺ کے فرامین میں سے وہ حدیث اس کی نظیر ہے جسے امام بخاری نے سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ:

”بلغوا عني ولو آية وحدثوا عن بني إسرائيل ولا حرج ومن كذب علي متعمداً فليتبوأ عقده من النار“ (۱)

میری طرف سے آگے پہنچاؤ خواہ ایک آیت ہی ہو، بنی اسرائیل سے نقل کر سکتے ہو کوئی مضائقہ نہیں اور جس نے مجھ پر

(۱) البخاری، کتاب أحادیث الأنبياء، باب ما ذكر عن بني إسرائيل ج ۳۶۱

(۲) احمد ۱۳۶/۱ ج ۳۵۷ و ابوداؤد: ۳۶۴۳ وابن حبان: ۱۱۱۰ اس کی سند ملے بن ابی نملة کے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے

لیکن صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لا تصدقوا اهل الكتاب ولا تكذبوهم (۷۵۴۲، ۷۳۶۲، ۴۴۸۵)

جان بوجھ کر جھوٹ باندھا تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں سنبھال لے۔
اسے صحیح حدیث میں مذکور نبی ﷺ کے اس فرمان کے ساتھ رکھو:

”إِذَا حَدَّثَكُمْ أَهْلَ الْكِتَابِ فَلَا تَصْدُقُوهُمْ وَلَا تُكَذِّبُوهُمْ (۲)“

اہل کتاب تم سے کوئی بات بیان کریں تو ان کی تصدیق نہ کرو اور نہ انہیں جھوٹا کہو۔

اس طرح آپ ﷺ نے اہل کتاب سے بات نقل کرنے کی رخصت بھی دی اور ساتھ ہی ساتھ اس کی تصدیق کرنے یا انہیں جھوٹا کرنے سے بھی ممانعت کر دی۔ اگر ان سے بات نقل کرنے میں مطلقاً فائدہ نہ ہوتا تو آپ ﷺ اس کی رخصت دیتے ہوتے اس کا حکم نہ دیتے، اور اگر صرف ان کے بیان کر دینے سے ہی ان کی تصدیق جائز ہوتی تو آپ ﷺ ان کی تصدیق سے منع نہ فرماتے۔ غرضیکہ جن باتوں پر سچائی کا گمان ہو ان سے انسانی طبائع بعض حالات و مقامات میں مستفید ہوتی ہیں۔

چنانچہ جب ضعیف احادیث کسی مقدار اور تحدید پر مشتمل ہوں مثلاً کسی خاص وقت میں خاص قراءت اور خاص طریقہ سے نماز کے متعلق بتایا جائے تو ضعیف (۱) حدیث پر اعتماد کرتے ہوئے اس پر عمل روانہ ہوگا۔ اس لئے خاص طریقہ کا مستحب ہونا دلیل شرعی سے پایہ ثبوت کو نہیں پہنچا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ترغیب و ترہیب میں اس قسم کی روایات بیان کی جاتی سکتی ہیں، اور حصول مقصد کے لئے استعمال کی جاسکتی ہیں، تاہم ثواب اور عذاب کی مقدار کے تعین کا اعتقاد دلیل شرعی پر ہی موقوف ہوگا۔

(فتاویٰ شیخ الاسلام: ۶۵/۱۸-۶۸)

(۱) ضعیف حدیث کے بارے میں رائج یہی ہے کہ وہ فضائل میں معتبر ہے اور نہ عقائد و احکام میں، جمال الدین قاسمی نے ضعیف حدیث کے بارے میں پہلا مسلک یہ نقل کیا ہے کہ ”لا يعمل به مطلقاً لا في الأحكام ولا في الفضائل، حكاه ابن سيد الناس في عيون الأثر عن يحيى بن معين و نسبه في فتح المغيث لأبي بكر بن العربي والظاهر أن مذهب البخاري و مسلم ذلك أيضاً، يدل عليه شرط البخاري في صحيحه و تشنيع الإمام مسلم على رواة الضعيف كما أسلفناه و عدم اخرجهما في صحيحهما شيئاً منه“

احکام ہوں یا فضائل، اس پر عمل نہیں کیا جائے گا، اسے ابن سید الناس نے عیون الاثر میں ابن معین سے نقل کیا ہے، اور فتح المغیث میں (سخاوی) نے ابوبکر بن العربی سے منسوب کیا ہے، اور ظاہر ہے کہ امام بخاری و مسلم کا یہی مسلک ہے۔ صحیح بخاری کی شرط اس پر دلالت کرتی ہے۔ امام مسلم نے ضعیف حدیث کے راویوں پر سخت تنقید کی ہے جیسا کہ ہم نے پہلے لکھ دیا ہے۔ دونوں اماموں نے اپنی کتابوں میں ضعیف روایات میں سے ایک روایت بھی فضائل و مناقب میں نقل نہیں کی (توابع الحدیث ص ۱۱۳)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما رسل روایات کو سننے کے ہی قائل نہ تھے۔ (دیکھئے مقدمہ صحیح مسلم ج: ۲۱ والکت علی کتاب ابن الصلاح ۵۵۳/۲)

معلوم ہوا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ضعیف حدیث کو فضائل بھی جت تسلیم نہیں کرتے تھے۔

سوال: اذان دیتے وقت قبلہ رخ ہونے کے بارے میں کوئی صحیح یا ضعیف روایت موجود ہے؟ (نصیر احمد کاشف)
جواب: معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے آکر نبی ﷺ کو بتایا کہ میں نے نیند اور بیداری کی درمیانی حالت میں دیکھا: ایک آدمی کھڑا تھا، جس نے دو سبز کپڑے پہن رکھے تھے، اس نے قبلہ رخ کھڑا تھا ہو کر اذان دی۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی: ۳۹۱/۱ وقال: مرسل)

یہ سند ضعیف ہے، عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کی معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے ملاقات نہیں ہوئی۔
یہ روایت دوسری سند کے ساتھ سنن ابی داود (ح ۵۰۶) میں ہے۔ اس میں ”أصحابنا“ مجہول ہیں۔ یہ عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ عن معاذ کی سند سے بھی مختصر اُ موجود ہے، سنن ابی داود میں قبلہ رخ ہونے کا کوئی ذکر نہیں ہے، سنن ابی داود والی سند بھی ضعیف ہے۔

اس کے بارے میں ایک دوسری روایت کی طرف امام ابن المنذر نے اشارہ کیا ہے۔
یہ روایت سعد القرظ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

”وإن بلائاً كان إذا كبر بالأذان استقبال القبلة“

بے شک بلا (رضی اللہ عنہ) اذان کی تکبیر کہتے وقت قبل کی طرف رخ کرتے تھے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی: ۳۹/۶: ۵۴۴۸)

اس روایت کی سند ضعیف ہے اس میں عبدالرحمن بن عمار بن سعد المؤمن: ضعیف ہے اور عمار بن سعد مجہول الحال ہے۔
ان دونوں روایتوں کے ضعیف ہونے کی طرف ابن المنذر نے اشارہ کر دیا ہے۔

امام ابن المنذر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

”أجمع أهل العلم على أن من السنة أن تستقبل القبلة بالأذان“

اس پر علماء کا اجماع ہے کہ اذان میں قبلہ رخ ہونا سنت ہے۔ (الاوسط: ۳/۲۸)

نیز فرماتے ہیں کہ: ”وأجمعوا على أن من السنة أن تستقبل القبلة بالأذان“

اور اس پر اجماع ہے کہ اذان دیتے وقت قبلہ رخ ہونا چاہئے۔

(الاجماع: ج ۷، فقرہ: ۳۹) نیز دیکھئے موسوعۃ الاجماع فی الفقہ الاسلامی (۹۳/۱)

عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ: کیا قبلہ رخ ہو کر اذان دینی چاہئے؟ تو انہوں نے فرمایا: جی ہاں
(مصنف عبدالرزاق: ۴۶۵/۱ ج ۲، ۱۸۰۲ سندہ صحیح)

محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ”إذا أذن المؤذن استقبال القبلة“

جب مؤذن اذان دے تو اسے قبلہ رخ ہونا چاہئے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۴۶۶/۱ ج ۲، ۱۸۰۳ سندہ صحیح)

خلاصہ: اذان میں قبلہ کی طرف رخ کرنا اجماع سے ثابت ہے، واللہ

سوال: السلام علیکم: مختلف علماء سے درج ذیل احادیث سنی ہیں، لیکن علماء نے ان کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔ اور یہ علماء اب فوت ہو چکے ہیں، مہربانی فرما کر ان احادیث کی تخریج سے آگاہ کریں، اور یہ بھی آگاہ کریں کہ یہ احادیث صحیح ہیں یا نہیں؟ احادیث درج ذیل ہیں (مفہوم)

۱: ”آخر زمانہ میں ایک قوم آئے گی جس کا نام رافضی ہوگا، میرے صحابہؓ پر وہ تبرک کریں گے، ان میں سے کوئی بیمار ہو

جائے تو پوچھئے مت، مرجائے جنازہ مت پڑھئے، تمہارا مرجائے اپنے جنازے میں اسے شریک نہ کیجئے“

۲: جب فتنے اور بدعات عام ہو جائیں اور صحابہؓ پر تبرک کیا جائے تو عالم کو چاہئے کہ اپنے علم کو ظاہر کرے“

۳: رسول پاکؐ نے حضرت عمرؓ کو کہا: اے عمر حق بات کہہ خواہ لوگوں کے دل پر وہ بری گزرے“

۴: جس قوم میں ابو بکر صدیقؓ موجود ہوں کسی اور کیلئے جائز نہیں کہ وہ امامت کرائے۔

(والسلام: عبداللہ طاہر، اسلام آباد)

جواب: رافضی اس شخص کو کہتے ہیں جو ”صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مذمت اور کردار کشی کو جائز سمجھتا ہے“

(القاموس الوجید: ص ۶۴۸)

حافظ ذہبی (متوفی ۷۴۸ھ) فرماتے ہیں کہ:

”ومن أبغض الشيخين واعتقد صحة إمامتهما فهو رافضي مقیت ومن سبهما واعتقد أنهما ليسا

بإمامي هدى فهو من غلاة الرافضة“

جو شخص شیخین (ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما) سے بغض رکھے اور انہیں خلیفہ برحق بھی سمجھے تو یہ شخص رافضی، قابل نفرت ہے

اور جو شخص انہیں (ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو) خلیفہ برحق بھی نہ سمجھے اور برا کہے تو یہ شخص غالی رافضیوں میں سے ہے۔

(سیر اعلام النبلاء: ۱۶/۲۵۸ ترجمۃ الدار القطنی رحمہ اللہ)

حافظ ابن حجر العسقلانی (متوفی ۸۵۲ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

”فمن قدمه على أبي بكر و عمر فهو غالٍ في تشيعه و يطلق عليه رافضي“
جو شخص (سیدنا) علی رضی اللہ عنہ کو (سیدنا) ابوبکر رضی اللہ عنہ و (سیدنا) عمر رضی اللہ عنہ پر (افضیت میں) مقدم کر دے
تو وہ شخص غالی شیعہ ہے اور اس پر رافضی کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ (ہدی الساری مقدمہ فتح الباری: ص ۴۵۹)
اثنا عشری جعفری فرقہ، رافضی فرقہ ہے۔

دلیل نمبر: ۱: غلام حسین نجفی رافضی نے اپنی کتاب ”جاگیر فدک“ میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا ہے
کہ ”جناب ابوبکر اور مرزا صاحب میں کوئی فرق نہیں“ (ص ۵۰۹)
اس نجفی بیان میں صدیق اکبر کو مرزا غلام احمد قادیانی کے برابر قرار دیا گیا ہے۔
دلیل نمبر: ۲: محمد الرضی الرضوی الرافضی کہتا ہے کہ:

”أما برائتنا من الشيخين فذاك من ضرورة ديننا“ إلخ
اور شیخین (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) سے برأت (تبرّأ) کرنا ہمارے دین کی ضرورت میں سے ہے۔
(کذبوا علی الخبیث: ص ۴۹)

روافض کے بارے میں مروی شدہ مرفوع احادیث کی تحقیق درج ذیل ہے۔

ط: بشر بن عبد اللہ عن أنس بن مالك عن النبي ﷺ قال: وأنه سيكون في آخر الزمان قوم
يغضونهم فلا توادواهم ولا تشاركوهم ولا تصلوا عليهم ولا تصلوا معهم وهذا خبر باطل
لا أصل له“

آخری زمانہ میں ایسے لوگ ہوں گے جو ان (ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم) سے بغض کریں گے، تم ان کے ساتھ نہ
کھانا کھاؤ، نہ شریک کرو، نہ ان کا جنازہ پڑھو اور نہ ان کے ساتھ (مل کر) نماز پڑھو یہ روایت باطل ہے، اس کی
کوئی اصل نہیں ہے۔ (کتاب الحج و حین لابن حبان: ۱/۱۸۷)

حافظ ذہبی نے اس روایت کو سخت منکر قرار دیا۔ (میزان الاعتدال: ۳۲۱)
بشر القصر کے بارے میں امام ابن حبان نے کہا: ”منكر الحديث جداً“ یہ سخت منکر حدیثیں بیان کرنے والا ہے۔
(الحج و حین: ص ۱۸۷)

ط: ”أبو عقيل يحيى بن المتوكل عن كثير النواء عن إبراهيم بن حسن بن حسن بن علي بن أبي
طالب عن أبيه عن جده قال قال علي بن أبي طالب: قال رسول الله ﷺ: يظهر في آخر الزمان
قوم يسمون الرافضة، يرفضون الإسلام“

آخری زمانہ میں ایک قوم ظاہر ہوگی جس کا رافضی ہوگا، یہ لوگ اسلام کو چھوڑ دیں گے۔

(مسند احمد: ۱۰۳/۸۰۸، روایت عبد اللہ بن احمد عن غیرابیہ)

یہ روایت بلحاظ سند ضعیف ہے۔

ابو قتیل بن مکی بن المتوکل ضعیف ہے۔ (تقریب التہذیب: ۲۳۳) کثیر بن اسماعیل النواء ضعیف ہے۔ (تقریب: ۵۶۰۵)

امام ابن الجوزی (متوفی ۵۹۷ھ) فرماتے ہیں کہ:

”هذا حديث لا يصح عن رسول الله ﷺ“ یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے صحیح (ثابت) نہیں ہے۔

(العلل المتناہیہ: ۱۵۷/۲۵۲)

ب۔ ”عمران بن زید: ثنا الحجاج بن تمیم عن میمون بن مهران عن ابن عباس قال قال رسول الله

ﷺ: يكون في آخر الزمان قوم يبنزون: الرافضة، يرفضون الإسلام ويلفظونه يقتلوهم فإنهم

مشركون“

آخری زمانے میں ایک قوم ہوگی جسے رافضی کہا جائے گا یہ اسلام کو اتار کر پھینک دیں گے، انہیں قتل کرو کیوں کہ یہ

مشرک ہیں۔ (مسند عبد حمید: ج ۶۹۸، دوسرا نسخہ: ج ۶۹۷، والمسند الجامع: ج ۹/۵۹۶، ۸۲۷ واللفظ لہ)

یہ روایت ضعیف ہے، عمران بن زید: لین (یعنی ضعیف) ہے (تقریب: ۵۱۵۶) حجاج بن تمیم: ضعیف ہے (تقریب: ۱۱۲۰)

تنبیہ: ان راویوں پر محدثین کرام کی جرح تفصیلاً تہذیب الکمال، تہذیب التہذیب اور میزان الاعتدال وغیرہ میں

موجود ہے۔ تقریب کا حوالہ بطور اختصار اور بطور خلاصہ واعدل الاقوال دیا جاتا ہے۔ والحمد للہ

ل: ”عصام بن الحکم العکبری: نا جمیع بن عمیر البصری: ثنا سوار الہمدانی عن محمد

بن جحادۃ عن الشعبي عن علي قال قال رسول الله ﷺ: إنك وشيعتك في الجنة وسيأتي قوم

(لہم نبز) يقال لهم الرافضة، فإذا لقيمتوهم فاقتلوهم فإنهم مشركون“

(اے علی!) تم اور تمہارے شیعہ، جنت میں جائیں گے اور ایک قوم آئے گی جن کا لقب رافضی ہوگا، تم جب انہیں ملو تو

انہیں قتل کرو، کیوں کہ یہ مشرک ہیں۔

(حلیۃ الاولیاء: ۳۲۹/۴ و تارخ بغداد مختصر: ۲۸۹/۱۲ ت ۳۱، ۶۷، والعلل المتناہیہ: ۱۵۸/۱، ۱۵۹، ج ۲۵۴ واللفظ لہ)

یہ روایت باطل و مردود ہے، سوار بن مصعب الحمدا فی: منکر الحدیث (منکر حدیثیں بیان کرنے والا) ہے۔

(کتاب الضعفاء للإمام البخاری تحقیق: ۱۵۸)

امام مکی بن معین رحمہ اللہ نے فرمایا:

”وقد رأيتہ وليس بشيء، كان يحنينا إلى منزلنا“

يحبك قوماً يصفرون الإسلام بالسنتهم ، يقرؤون القرآن لا يجاوز تراقيهم ، لهم نيز يسمون
الرافضة ، فإذا لقيتهم فجاهدوهم فإنهم مشركون ، قال : قلت يا رسول الله ﷺ ما علامة
ذلك فيهم ؟ قال : يتركون الجمعة والجماعة ، ويطعنون في السلف الأول
(اے علی) تم اور تمہارے ساتھی جنتی ہیں، تم اور تمہارے شیعہ جنتی ہیں، سوائے اس کے کہ ایک قوم تجھ سے محبت (کا
دعویٰ) کرے گی، یہ اسلام کا زبانی دعویٰ کریں گے، قرآن پڑھیں گے جو ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، ان کا
لقب رافضی ہوگا، جب تم انہیں پاؤ تو ان سے جہاد کرو کیونکہ یہ مشرک ہیں۔ (سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا) میں نے
کہا: اے اللہ کے رسول! ان کی علامت کیا ہوگی؟ آپ نے فرمایا: جمعہ اور جماعت ترک کر دیں گے اور سلف اول (یعنی
صحابہ) پر طعن کریں گے۔ (تاریخ بغداد للخطیب: ۳۵۸/۱۲ ت ۶۷۹۰ الاوسط للطبرانی: ۳۱۶/۷ ح ۶۶۰۱)
یہ روایت سخت ضعیف، باطل اور مردود ہے۔

فضل بن غانم کے بارے میں امام ابن معین نے فرمایا: ”ضعیف لیس بشی“ یہ ضعیف ہے، کچھ چیز نہیں ہے۔
(سوالات ابن الجندی: ۱۱) سوار بن مصعب: منکر الحديث ہے جیسا کہ حدیث نمبر ۴ کے تحت گزر چکا ہے۔ (ص ۳)
عطیہ العوفی کو جہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے، حافظ ابن حجر نے کہا:
”ضعیف الحفظ، مشہور بالتدلیس القبیح“ حافظ کی وجہ سے ضعیف ہے اور گندی تدلیس کرنے کے ساتھ
مشہور ہے۔ (طبقات المدلسین تحقیقی: ۴/۱۲۲)

ع : ” أبو سعيد محمد بن أسعد التغلبي : حدثنا عثر بن القاسم أبو زبيد (عن حصين بن
عبد الرحمن عن أبي عبد الرحمن السلمي عن علي) قال قال : رسول الله ﷺ : سيأتي بعدي
قوم لهم نيز ، يقال لهم الرافضة ، فإذا لقيمتوهم فاقتلوهم فإنهم مشركون ، قلت : يا رسول الله!
ما العلامة فيهم ؟ قال : يقرضونك بما ليس فيك ويطعنون على أصحابي ويشتمونهم
میرے بعد ایک قوم آئے گی جس کا لقب رافضی (رافضہ) ہوگا، تم جب انہیں پاؤ تو انہیں قتل کرو، بے شک وہ مشرک ہیں،
میں (علی رضی اللہ عنہ) نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ ان کی (پہچان، نشانی) کیا ہے؟ فرمایا: تیرے بارے میں ایسی باتیں
کہیں گے جو تجھ میں نہیں ہیں اور میرے صحابہ پر طعن و تشیع کریں گے۔ (کتاب السنن لابن عاصم: ۶۷۲ ح ۹۷۹)
یہ روایت ضعیف ہے، محمد بن اسعد التغلبي: لین (یعنی ضعیف) ہے۔ (تقریب: ۵۷۲۶)

ع : ” بكر بن خنيس : حدثنا سوار بن مصعب عن داود بن أبي عوف عن فاطمة بنت علي عن
فاطمة الكبرى عن أسماء بنت عميس عن أم سلمة عن رسول الله ﷺ قال : أبشر يا علي ! أنت
و أصحابك في الجنة ، إلا إن ممن يزعم أنه يحبك قوم يرفضون الإسلام ، يلفظونه يقال لهم

الرافضة (فإذا أدر كنههم فجاهدهم) فإنهم مشركون ، قلت : يا رسول الله ! ما العلامة فيهم ؟ قال :
لا يشهدون جمعة ولا جماعة ويطعون على السف

اے علی! تجھے خوشخبری ہو، تو اور تیرے ساتھی جنتی ہیں سوائے ان کے جو تیری محبت کے دعویدار ہیں مگر اسلام کو دور بھینکنے والے
ہیں، انہیں رافضی کہا جائے گا۔ تو جب انہیں پائے تو ان سے جہاد کرنا کیونکہ وہ مشرک ہیں، میں نے کہا: یا رسول اللہ! ان کی
نشانی کیا ہے؟ فرمایا: وہ جمعہ اور جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھیں گے اور سلف (صالحین، صحابہ) پر طعن کریں گے۔

(کتاب السنہ: ج ۸۰: ۹۸)

یہ سند سخت ضعیف اور مردود ہے۔ بکر بن خنیس جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ (دیکھئے تسہیل الحاجۃ فی تحقیق سنن
ابن ماجہ: ج ۲۲۹ و تحریق ترقیب التہذیب: ۷۳۹)

سوار منکر الحدیث (یعنی سخت ضعیف) ہے۔ جیسا کہ حدیث نمبر ۴ کے تحت گزر چکا ہے۔ (ص ۳)

خلاصۃ التحقیق : رافضیوں کا نام لے کر، مذمت والی کوئی روایت بھی صحیح و ثابت نہیں ہے، اس مفہوم کی دیگر
بے اصل، موضوع اور مردود روایات درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہیں۔

شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ لاکائی (۱۴۵۳ھ-۱۴۵۵ھ) معالم التنزیل للبغوی (۲۰۸/۴ آخر سورۃ الفتح) کنز العمال
(۳۱۶۳۶، ۳۱۶۳۵ ج ۳۲۲/۱۱)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

”ثنا و کبیر عن شعبۃ عن أبی التیاح عن أبی السوار قال قال علی : لیحببني قوم حتی یدخلوا النار

فی حبی و لیبغضني قوم حتی یدخلوا النار فی بغضی“

علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ایک قوم (لوگوں کی جماعت) میرے ساتھ (اندھا دھند) محبت کرے گی حتیٰ کہ وہ میری
(افراط والی) محبت کی وجہ سے (جہنم کی) آگ میں داخل ہوگی اور ایک قوم میرے ساتھ بغض کرے گی حتیٰ کہ وہ
میرے بغض کی وجہ سے (جہنم کی) آگ میں داخل ہوگی۔

(کتاب فضائل الصحابہ: ج ۲/۵۶۲ و اسنادہ صحیح، کتاب السنۃ لابن ابی عاصم: ج ۸۳/۹۸ و سندہ صحیح)

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ:

”نا و کبیر عن نعیم بن حکیم عن أبی مریم قال : سمعت علیاً یقول : یهلك فی رجلاں ، مفرط

غال و مبغض قال“

(سیدنا) علی (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: میرے بارے میں دو (قسم کے) مرد ہلاک ہو جائیں گے (۱) غالی (اور محبت
میں ناجائز) افراط کرنے والا، اور (۲) بغض کرنے والا حجت باز۔ (فضائل الصحابہ: ج ۲/۵۷۱ و اسنادہ حسن)

چونکہ ان دونوں اقوال کا تعلق غیب سے ہے لہذا یہ دونوں مرفوع حکماً ہیں یعنی رسول اللہ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کو یہ باتیں بتائی ہوں گی، لہذا اراغی اور غلو کرنے والے شیعہ حضرات دنیا و آخرت دونوں میں رسوا اور ہلاک ہو جائیں گے۔

واللہ من ورائہم محیط

تلیخیص الجواب: سوال میں بیان کردہ روایت بے اصل اور باطل ہے۔

﴿۲﴾ مسند الفردوس للذیلی میں لکھا ہوا ہے کہ:

”إذا ظهر البدع في أمتي (و شتم أصحابي) فليظهر العالم علمه فإن لم يفعل فعليه لعنة الله“
ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے مرفوعاً مروی ہے کہ: جب میری امت میں بدعتیں ظاہر ہو جائیں اور میرے صحابہ کو گالیاں دی جائیں تو عالم کو اپنا علم ظاہر کرنا چاہئے، اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس پر اللہ کی لعنت ہے۔ (۱۲۷۵ ج ۳۹ ص ۱۲۷)
یہ روایت بے سند و بے اصل ہے لہذا مردود و باطل ہے، اس مفہوم کی تائید کرنے والی ایک ضعیف و مردود روایت تاریخ دمشق لابن عساکر (۶۲/۵۷) میں ہے۔ اس روایت میں محمد بن عبد الرحمن بن رطل الدمشقی مجہول الحال ہے، شیخ الالبانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو منکر قرار دیا ہے۔ (السلسلۃ الضعیفۃ: ۱۲/۴ ج ۱۵ ص ۱۵۰۶)
ذیلی نے اس کی ایک موضوع (من گھڑت) سند بھی بیان کر رکھی ہے۔ (ایضاً ص ۱۵)
خلاصہ: یہ روایت بے اصل و مردود ہے۔

﴿۳﴾ یہ روایت بے اصل ہے، اس کی کوئی سند مجھے نہیں ملی۔

﴿۴﴾ سنن ترمذی کی اہل روایت میں آیا ہے کہ: ”لا ينبغي فيهم أبو بكر أن يؤمهم غيره“
لوگوں کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ اگر وہ ان میں ابو بکر (رضی اللہ عنہ) موجود ہوں تو کوئی دوسرا شخص ان کی امامت کرانے لگے۔ (۳۶۷ ج ۳ ص ۳۶۷)

یہ روایت ضعیف ہے، عیسیٰ بن میمون الانصاری: ضعیف ہے۔ (تقریب: ۵۳۳۵)
محدث البانی رحمہ اللہ اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں ”ضعف جداً“ یعنی سخت ضعیف ہے۔ (سنن الترمذی: ص ۸۳۴، السلسلۃ الضعیفۃ: ۳۶۵/۱۰) اس کی تائید والی دو مردود و باطل روایتیں السلسلۃ الصحیحۃ: ۳۶۶/۱۰ ج ۸۲ ص ۸۲۰ میں بطور رد مذکور ہیں۔ محدث ارشاد الحق اثری نے سیوطی (الآلی: ۲۹۶/۱) وغیرہ میں کہا ہے کہ یہ روایت شواہد کے لحاظ سے حسن یعنی حسن لغیرہ ہے، حالانکہ یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے، اس روایت کے شواہد مردود و باطل ہیں لہذا یہ حسن لغیرہ کے درجے تک قطعاً نہیں پہنچتی، وما علينا إلا البلاغ (۶ جولائی ۲۰۰۴ء)

سوال: ”کیا الخیرات الحسان“ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ علیہ کی کتاب ہے؟ اور کیا اس کتاب میں انہوں نے

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے اقوال و واقعات لکھے ہیں؟ اس کتاب کی وضاحت فرمائیں کہ اس کی کیا حیثیت ہے، کیونکہ دیوبندیوں نے دوران گفتگو اس کتاب کا حوالہ دیا ہے جس کے بارے میں ہمیں علم نہیں، آپ وضاحت فرمائیں۔
(خرم ارشاد محمدی، دولت نگر۔ گجرات)

جواب: کتاب ”الخیرات الحسان فی مناقب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان“
حافظ ابو الفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی رحمہ اللہ (متوفی ۸۵۲ھ) کی لکھی ہوئی نہیں ہے، بلکہ اسے شہاب الدین احمد بن محمد بن محمد بن علی بن محمد بن علی بن حجر البیتمی المکی السعدی الانصاری الشافعی، ابو العباس (متوفی ۹۷۳ھ) نے لکھا ہے۔
اس ابن حجر المکی کے بارے میں امام محمود شمکری بن عبد اللہ بن محمود بن عبد اللہ بن محمود الحسینی الآلوسی البغدادی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۴۲ھ) لکھتے ہیں کہ:

”کیونکہ ابن حجر کی اکثر کتابیں جھوٹ کا پلندہ ہیں، اور افتراء، قول زور، بے اصل آراء اور دعوت الی غیر اللہ وغیرہ بدعات و ضلالت سے پر ہیں“ (انوار رحمانی ترجمہ غایۃ الامانی: ۴/۳۳۳)

امام آلوسی رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں کہ:

”ابن حجر کی سب کتابیں اہل بصیرت کی نظر میں عیوب کی جامع ہیں اور ان میں بعض میں دوسروں کی کتابوں کا سرقہ کا عیب بھی ہے..... پھر ان میں موضوع احادیث ہیں، جنہیں غلط طور پر آں حضرت ﷺ کی طرف منسوب کیا گیا ہے“
(انوار رحمانی ترجمہ غایۃ الامانی: ۴/۳۳۳، ۴/۳۳۴)

امام آلوسی کے بارے میں عمر رضا کحالی نے لکھا ہے کہ:

”جمال الدین أبو المعالي، مؤرخ أديب لغوي، من علماء الدين.....“
(معجم المؤلفين: ۸۱۰/۳ تا ۸۱۰/۳ تا ۱۶۶۰۳)

خیر الدین الزرکلی نے لکھا ہے کہ:

”مؤرخ عالم بالأدب والدين، من الدعاة إلى الإصلاح: وحمل على أهل البدع في الإسلام
برسائل فعاداه كثيرون“ (الاعلام: ۱۷۷/۷)

امام آلوسی البغدادی رحمہ اللہ کی اس گواہی کو مد نظر رکھتے ہوئے ”الخیرات الحسان“ کے بارے میں درج ذیل اہم نکات پیش خدمت ہیں:

۱: اس کتاب میں سندیں حذف کر کے قال فلان اور روی فلان کے ساتھ روایتیں لکھی گئی ہیں، اہل تحقیق پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ بے سند و غیر ثابت روایات کے بارے میں قال فلان اور روی فلان وغیرہ کے الفاظ لکھنا انتہائی معیوب اور ناپسندیدہ حرکت ہے۔

۲: ابن حجر مکی نے موضوع و بے اصل روایات کو جزم کے صیغے استعمال کر کے بیان کیا ہے تاکہ عام لوگ یہ سمجھیں کہ یہ روایات صحیح و ثابت ہیں۔

مثال نمبر ۱: ”وعنه: إن احتيج للرأي فرأي مالك و سفیان و أبي حنيفة وهو أفقههم و أحسنهم و أدقهم فطنة و أغوصهم على الفقه“ (الخيرات الحسان: ص ۴۵)
”ابن مبارک“ فرماتے ہیں کہ اگر رائے کی ضرورت ہو تو امام مالکؒ اور سفیانؒ اور امام ابوحنیفہؒ کی رائے درست ہیں، ان سب میں امام ابوحنیفہؒ سے زیادہ فقیہ اور اچھے فقیہ تھے اور باریک بینی اور فقیہ میں زیادہ غور و غوص کرنے والے تھے“
(سرتاج محدثین ص ۱۵۷ مترجم: عبدالغنی طارق دیوبندی)
تبصرہ: یہ روایت تاریخ بغداد للخطیب البغدادی رحمہ اللہ (۳۴۳/۱۳) میں احمد بن محمد بن مغلس (الجمانی) کی سند سے موجود ہے، اس ابن مغلس کے بارے میں امام ابن عدی رحمہ اللہ نے فرمایا:
”وما رأيت في الكذابين أقل حياء منه“ اور میں نے جھوٹوں میں اتنا بے حیا کوئی شخص نہیں دیکھا۔
(الکامل لابن عدی: ۲۰۲/۱)

امام دارقطنی رحمہ اللہ نے فرمایا: ”يضح الحديث“ یہ حدیثیں گھڑتا تھا۔
(کتاب الضعفاء والمترکین: ص ۱۲۳ ترجمہ: ۵۹)
اس کذاب شخص کو کسی محدث نے ثقہ یا صدوق نہیں کہا ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:
”وقسم كالبخاري و أحمد بن حنبل و أبي زرعة و ابن عدي: معتدلون منصفون“
یعنی (امام) بخاری، (امام) احمد بن حنبل، (امام) ابو زرعة، اور (امام) ابن عدی (سب) معتدل اور انصاف کرنے والے تھے۔ (ذکر من يعتمد قوله في الجرح والتعديل: ص ۱۵۹/۲)
سٹاوی نے کہا:

”وقسم معتدل كأحمد والدارقطني و ابن عدي“
اور ایک قسم (جرح و تعدیل) والے معتدل ہیں مثلاً احمد، دارقطنی اور ابن عدی۔ (المستكملون في الرجال ص: ۱۳۷)
مثال نمبر ۲: ابن حجر المکی نے کہا:

”وقال وكيع: ما رأيت أحداً أفقه منه ولا أحسن صلاة منه“ (الخيرات الحسان: ص ۴۸)
”محدث و کج“ فرماتے ہیں: میں نے امام ابوحنیفہؒ سے بڑا نہ فقیہ دیکھا ہے اور نہ کسی کو ان سے اچھی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا“ (سرتاج محدثین: ص ۱۶۳)

یہ روایت تاریخ بغداد (۳۴۵/۱۳) میں احمد بن الصلت الجمانی کی سند سے ہے اور احمد بن الصلت کذاب ہے جیسا کہ

ابھی گزرا ہے۔ یہ دو مثالیں بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں ورنہ ”الخیرات الحسان“ اس قسم کی موضوع، بے اصل اور باطل روایات سے بھری ہوئی ہے۔

۳: کسی کتاب سے حوالہ پیش کرنے کے لئے تین باتوں کا ہونا ضروری ہے۔

اول: صاحب کتاب ثقہ و صدوق ہو۔

دوم: کتاب، صاحب کتاب تک صحیح ثابت ہو۔

سوم: صاحب کتاب سے لے کر صاحب قول و روایت تک سند صحیح و حسن لذاتہ ہو۔

ان شرطوں میں سے اگر ایک بھی مفقود ہو تو پھر کتاب کا حوالہ بے کار اور مردود ہو جاتا ہے۔

۴: ابن حجر مکی - المبتدع کی کتاب ”الخیرات الحسان“ میں مناقب الامام ابی حنیفہ رحمہ اللہ والی روایات کا بہت بڑا اور اکثر حصہ غیر ثابت، موضوع اور بے اصل روایات پر مشتمل ہے۔ وما علينا إلا البلاغ (۲۰ جولائی ۲۰۰۴ء)

سوال: کیا سورۃ الملک کی تلاوت عذاب قبر سے نجات دلائے گی۔ صحیح احادیث کے حوالے سے رہنمائی فرمادیں؟

(سید جاوید مسعود غزنوی، انک ۰۶-۰۲-۲۹)

جواب: الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على رسوله الامين ، أما بعد :

سورہ ملک (۲) - تبارك الذي بيده الملك ، الخ) کی فضیلت میں درج ذیل احادیث مروی ہیں۔

”يحيى بن عمرو بن مالك النكري عن أبيه عن أبي الجوزاء عن ابن عباس قال: ضرب بعض

أصحاب النبي ﷺ خباءه على قبر وهو لا يحسب أنه قبر ، فإذا فيه إنسان يقرأ سورة الملك

حتى ختمها ، فأتى النبي ﷺ فقال: يا رسول الله! ضربت خباءي على قبر وأنا لا أحسب أنه قبر ،

فإذا فيه إنسان يقرأ سورة الملك حتى ختمها فقال النبي ﷺ: هي المانعة ، هي المنجية ، تنجي

من عذاب القبر ، هذا حديث غريب من هذا الوجه وفي الباب عن أبي هريرة “

”یحيٰ بن عمرو بن مالک النکری سے روایت ہے کہ، اس نے اپنے باپ (عمرو بن مالک النکری) سے، اس نے ابوالجوزاء

سے اس نے (عبداللہ) بن عباس (رضی اللہ عنہ) سے بیان کیا کہ: نبی ﷺ کے ایک صحابی نے ایک قبر پر خیمہ لگا دیا اور

انہیں پتہ نہیں تھا کہ یہ قبر ہے، کیا دیکھتے ہیں کہ ایک انسان (پوری) سورۃ الملک پڑھ کر اس کا ختم کر رہا ہے، تو انہوں نے

نبی ﷺ کے پاس آ کر کہا: یا رسول اللہ! میں نے ایک قبر پر خیمہ لگا دیا اور مجھے یہ خبر نہیں تھی کہ وہاں قبر ہے، کیا دیکھتا ہوں کہ

ایک انسان سورۃ الملک آخر تک پڑھ کر اس کا ختم کر رہا ہے؟ تو نبی ﷺ نے فرمایا: ”یہ روکنے والی ہے، یہ نجات دینے

والی ہے، یہ اسے قبر کے عذاب سے نجات دینے والی ہے“ یہ حدیث اس سند سے غریب (اجنبی) ہے، اور اس باب میں

ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے بھی (حدیث) مروی ہے۔ (سنن الترمذی: ۴/۲۷۷ ح ۲۸۹۰ نسخہ منقوطہ: ص ۱۸۷/۱) اسے یحییٰ بن عمرو بن مالک کی سند کے ساتھ درج ذیل محدثین نے بھی روایت کیا ہے:

ابو نعیم الاصبہانی (حلیۃ الاولیاء: ۳/۸۱) البیہقی (اثبات عذاب القبر، تحقیق: ج ۱۴۶، ۱، وقال تفرد به يحيى بن عمرو بن مالك وهو ضعيف) محمد بن نصر المروزی (مختصر قیام اللیل للمقرئ: ص ۱۳۵، ۱۴۶) ابن عدی الجرجانی (الکامل فی ضعفاء الرجال: ۲/۲۶۲) الطبرانی (المعجم الکبیر: ۱۳/۵۷۱ ح ۱۲۸۰۱) المزنی (تہذیب الکمال: ۲۰/۱۸۱، ۱۸۲)

یہ روایت بلحاظ اصول حدیث: ضعیف و مردود ہے، اس کے راوی یحییٰ بن عمرو بن مالک کے بارے میں امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ”وہ ضعیف ہے“ حافظ ذہبی نے فرمایا: ”ضعیف“ (الکاشف: ۳/۲۳۲) حافظ ابن حجر العسقلانی نے گواہی دی: ”ضعیف، ويقال: إن حماد بن زيد كذبه“ (تقریب التہذیب: ۶۱۴/۷)

اس راوی پر دیگر محدثین کی جرح کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال و تہذیب التہذیب و میزان الاعتدال، وغیرہ

ط: ”شعبة عن قتادة عن عباس الجشمي عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال: إن سورة من القرآن ثلاثون آية، شفعت لرجل حتى غفر له، وهي تبارك الذي بيده الملك، هذا حديث حسن“

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: بے شک قرآن کی ایک سورت، تیس آیتوں والی نے اپنے پڑھنے والے کی سفارش کی حتیٰ کہ اسے بخش دیا گیا، یہ سورۃ الملک ہے، یہ حدیث حسن ہے۔ (سنن الترمذی: ج ۲۸۹۱)

اس حدیث کی سند حسن لذاتہ ہے، اسے ابوداؤد (۱۴۰۰) اور ابن ماجہ (۳۷۸۶) وغیرہما نے بھی امام شعبہ سے بیان کیا ہے۔ حافظ ابن حبان (موارد الظمان: ج ۱۷۶۶) حاکم (۲/۴۹۷، ۴۹۸) اور ذہبی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

تنبیہ ۱: اس روایت پر جرح مبہم و مردود ہے۔

تنبیہ ۲: قتادہ سے اگر شعبہ روایت کریں تو قتادہ کی روایت سماع پر محمول ہوتی ہے۔

ب: ”سليمان بن داود بن يحيى البصري: نا شيبان بن فروخ: نا سلام بن مسكين عن ثابت عن أنس قال قال رسول الله ﷺ: سورة في القرآن ما هي إلا ثلاثين آية خاصمت عن صاحبها حتى أدخله الجنة وهي سورة تبارك“

انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قرآن کی ایک سورت، جس کی تیس آیتیں ہیں، نے اپنے پڑھنے والے کا دفاع کیا حتیٰ کہ اسے جنت میں داخل کر دیا، یہ سورت تبارک (الذي بيده الملك) ہے،

(المعجم الصغير للطبراني: ۱/۱۷۶ ح ۴۷۶ والا وسط: ۳۶۶، المختار للفضاء المقدسي: ۵/۱۱۲، ۱۱۵ ح ۳۸، ۱۷۳۹)

اس روایت کے راوی ابوالیوب سلیمان بن داؤد بن یحییٰ مولیٰ بنی ہاشم کے حالات توثیق مطلوب ہیں۔

ل: ”ليث (بن أبي سليم) عن أبي الزبير عن جابر: أن النبي ﷺ كان لا ينام حتى يقرأ“

﴿الم تنزيل ، وتبارك الذي بيده الملك﴾

جابر رضی اللہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ سورۃ السجدۃ اور سورۃ الملک پڑھنے کے بغیر نہیں سوتے تھے۔

(سنن الترمذی: ۲۸۹۲)

یہ روایت لیث بن ابی سلیم کی سند سے درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے۔

مسند احمد (۳/۳۴۰ ح ۱۴۱۴) مسند عبد بن حمید (ج: ۱۰۳۸) ولی صرح بالسماع عندہ (مسند الدارمی (ج: ۳۴۱۴)، دوسرا نسخہ: (ج: ۳۴۵۴) قیام اللیل للمروزی مختصر المقریزی (ص ۱۴۶) مصنف ابن ابی شیبہ (۱۰/۳۲۴ ح ۲۹۸۰) السنن الکبریٰ للنسائی (ج: ۱۰۵۴) عمل الیوم واللیلۃ (ج: ۷۰۷) عمل الیوم واللیلۃ لابن السنن (ج: ۶۷۵)، دوسرا نسخہ: (ج: ۶۷۷) شیخ سلیم اھلالی نے اس روایت کی طویل تخریج کر رکھی ہے۔

لیث بن ابی سلیم ضعیف راوی ہے لیکن مغیرہ بن مسلم (صدوق / تقریب التہذیب: ۶۸۵۰) نے یہی روایت ابو الزبیر الہکی سے بیان کر رکھی ہے۔ (دیکھئے السنن الکبریٰ للنسائی: ج ۱۰۵۴) عمل الیوم واللیلۃ: ج: ۷۰۶، والأدب المفرد للبخاری: ج: ۱۴۰) ابو الزبیر مدلس راوی ہے، دیکھئے میری کتاب ”الفتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین“ (۳/۱۰۱) اور روایت معتن (عن سے) ہے لہذا یہ سند ضعیف ہے۔

ابو الزبیر سے پوچھا گیا کہ آپ نے یہ روایت جابر (بن عبد اللہ الانصاری رضی اللہ عنہ) سے سنی ہے؟ انہوں نے کہا: مجھے یہ خبر صرف صفوان یا ابن صفوان نے (مرسلًا) بتائی ہے۔ (سنن الترمذی: ج ۲۸۹۲)

حافظ ابن حجر نے کمال تحقیق کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

”وعلى هذا فهو مرسل أو معضل“ اس لحاظ سے یہ روایت مرسل یا معضل (منقطع) ہے۔

(نتائج الأفكار: ۲۶۷/۳)

حافظ ابن حجر نے اس کلام پر شیخ سلیم بن عبد اھلالی السنانی لکھتے ہیں کہ:

”وهذا كلام في غاية التحقيق ، وقد خفي هذا على شيخنا الألباني - رحمه الله ، في الصحيحة

ط (فجعل رواية زهير بن معاوية هذه عن صفوان أو ابن صفوان عن جابر وهذا خطأ منه

- رحمه الله ، فإن صفوان لم يروه عن جابر وإنما منتهاه عن صفوان نفسه“

اور یہ کلام تحقیق کے انتہائی اعلیٰ مقام پر ہے اور یہ ہمارے استاذ شیخ الالبانی رحمہ اللہ پر پوشیدہ رہ گیا۔ انہوں نے اپنی کتاب الصحیحہ میں زہیر بن معاویہ کی روایت کو صفوان یا ابن صفوان عن جابر سمجھ لیا اور یہ ان کی غلطی ہے، رحمہ اللہ، بے شک صفوان نے یہ روایت جابر (رضی اللہ عنہ) سے بیان نہیں کی، یہ تو ان کا اپنا قول ہے۔ (عجالتہ الراغب الممتنی: ۷۹۶/۲) یا مرسل ہے۔

خلاصہ التحقیق : یہ روایت بلحاظ سند ضعیف ہے۔

۵: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”یؤتی رجل من جوانب قبره ، فجعلت سورة من القرآن تجادل عنه حتی منعه“
مفہوم: آدمی کی قبر میں قرآن کی ایک سورت (تیس آیتوں والی) نے آدمی کا دفاع کیا حتیٰ کہ وہ شخص عذاب سے بچ گیا، (مردہ تابعی کہتے ہیں کہ) میں نے اور مسروق (تابعی) نے غور کیا تو اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ سورۃ الملک ہے۔
(دلائل النبوة للبیہقی: ۴۱/۷۷ وسندہ حسن)

اس روایت کی دوسری سندوں کے لئے دیکھئے مستدرک الحاکم (۴۹۸/۲) وغیرہ، ایک روایت میں ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”سورة تبارك هي المانعة تمنع باذن الله من عذاب القبر“ إلخ
سورۃ الملک، اللہ کے اذن سے، عذاب قبر سے بچاتی ہے۔ (اثبات عذاب القبر: للبیہقی: ج ۱۴۵ تحقیقی وسندہ حسن)
۶: خالد بن معدان رحمہ اللہ (تابعی، متوفی ۱۰۳ھ) سونے سے پہلے سورۃ السجدہ اور سورۃ الملک ضرور پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ دو سورتیں پڑھنے والے کی سفارش کریں گی اور اسے عذاب قبر سے بچائیں گی۔

(مسند احمد: ۴/۲۵۵ ج ۳۴۱۳ وسندہ حسن، أضواء المصباح ج ۶/۲۱۷ ب)

یہ روایت عبداللہ بن صالح کاتب الحديث کی وجہ سے حسن ہے، صحیح حدیث کی دو قسمیں انتہائی اہم ہیں۔

۱: صحیح لذاتہ ۲: حسن لذاتہ

صحیح حدیث کی طرح حسن حدیث بھی حجت ہوتی ہے۔

خلاصہ التحقیق : سونے سے پہلے سورۃ تبارک پڑھنا صحیح ہے اور موجب ثواب ہے، واللہ

الإمام عبد الله بن عمر رضي الله عنهما

حافظ زبیر علی زئی

رسول اللہ ﷺ کی مبارک مجلس ہے۔ جلیل القدر صحابہ کرام مثلاً ابو بکر، عمر، ابو ہریرہ اور انس بن مالک وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین، آپ ﷺ کے ارد گرد ہالہ بنائے تشریف فرما ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اپنے پیارے صحابہ سے دریافت فرماتے ہیں: ”وہ کون سا درخت ہے جس کے [سارے] پتے [خزاں میں بھی] نہیں گرتے؟ مسلمان کی مثال اس درخت جیسی ہے۔“ اولیاء الرحمن کی اس مقدس محفل میں خاموشی چھا جاتی ہے۔ صرف ایک لڑکا ایسا ہے جس کے دل میں خیال گزرتا ہے کہ: یہ کھجور کا درخت ہے۔ مگر وہ اپنی کم سنی کی وجہ سے اور بڑوں کا ادب کرتے ہوئے حیا کے سبب خاموش رہتا ہے۔ آخر کار نبی ﷺ کے جانباز ساتھی آپ سے پوچھتے ہیں آپ ہی بتادیں کہ یہ کون سا درخت ہے؟

خاتم النبیین ﷺ کی کوثر و تسنیم سے دھلی ہوئی زبان سے موتی بکھرتے ہیں: ”یہ کھجور کا درخت ہے“

بعد میں یہ ہونہار لڑکا اپنے عظیم المرتبت والد کو ساری بات بتا دیتا ہے۔ اس کا مجاہد باپ فرماتا ہے: اگر تو یہ کہہ دیتا کہ یہ کھجور کا درخت ہے تو مجھے فلاں فلاں چیز سے زیادہ محبوب ہوتا۔ (صحیح بخاری: ۶۱۴۴ و صحیح مسلم: ۲۸۱۱)

یہ عظیم الشان لڑکا تاریخ اسلام میں سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے نام سے مشہور ہے۔ آپ کی کنیت ابو عبد الرحمن ہے۔

حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ: ”عبد اللہ بن عمر بن الخطاب بن نفیل۔۔۔ الإمام القدوة شیخ الإسلام أبو

عبد الرحمن القرشي العدوي المكي ثم المدني“ (سیر اعلام النبلاء ۲۰۴/۳)

حافظ ذہبی مزید لکھتے ہیں ”آپ مدینہ کے رہنے والے فقیہ اور علم و عمل میں نہایت بلند پایہ تھے۔ آپ نے غزوہ خندق میں

شرکت کی اور بیعت الرضوان کے موقع پر شرف بیعت سے بھی مشرف ہوئے۔ آپ بار خلافت سنبھالنے کی پوری اہلیت

رکھتے تھے چنانچہ صفین کے موقع پر علی رضی اللہ عنہ اور فاتح عراق سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جیسی اہم شخصیتوں کی

موجودگی میں ان کا نام خلافت کے لئے پیش کیا گیا“ (تذکرۃ الحفاظ اردو: ۱/۱۵۱ نمبر ۱)

آپ بچپن میں مسلمان ہو گئے تھے۔ (تاریخ بغداد: ۱/۱۷۱)

آپ نے اپنے والد عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت کی۔ غزوہ احد میں آپ کم سنی کے سبب شریک نہ ہو سکے آپ پہلی بار

غزوہ خندق میں شریک ہوئے۔ (سیر اعلام النبلاء للذہبی: ۲۰۴/۳)

رسول اللہ ﷺ نے آپ کو ”رجل صالح“ یعنی نیک مرد کہا۔ (صحیح بخاری: ۷۰۲۹ و صحیح مسلم: ۲۴۷۸)

آپ نزول وحی سے ایک سال پہلے پیدا ہوئے تھے۔ (کتاب الثقات لابن حبان: ۲۱۰/۳، ۲۰۹، اسد الغالبہ: ۲۳۰/۳)

آپ دقیق النظر فقیہ صحابی اور محدث تھے۔ آپ کی فقہیت کا لوہا تمام علماء نے تسلیم کیا ہے۔
(ملاحظہ ہوا الاحکام لابن حزم ۵/۹۲، تذکرۃ الحفاظ ۱/۳۷، اصول الشاشی ۵/۷۵، نور الانوار ص ۱۷۸)
عبدالحی بن العمدان نے آپ کو ”السید الجلیل الفقیہ العابد الزاهد“ لکھا ہے۔ (شذرات الذہب: ۸۱/۱)
حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

”ولا بعد المبعث بیسیر، واستصغر یوم أحد وهو ابن أربع عشرة، وهو أحد المكشورین من الصحابة
والعبادۃ، وكان من أشد الناس اتباعاً للأثر“ آپ بعثت نبوی (ﷺ) کے تھوڑا عرصہ بعد پیدا ہوئے، غزوہ
أحد کے موقع چودہ سال کی عمر کی وجہ سے چھوٹے سمجھے گئے (لہذا غزوہ أحد میں شریک نہ ہو سکے) آپ لوگوں میں سب
سے زیادہ، سنت پر عمل کرنے والے تھے۔ (تقریب التہذیب: ۳۲۹۰)
آپ غزوہ خندق میں شریک ہوئے تھے۔

صحابہ و تابعین وغیرہم نے آپ کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ قریش کے نوجوانوں میں اپنے آپ کو دنیا کے بارے میں
سب سے زیادہ قابو رکھنے والے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ تھے۔
جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جس کی طرف دنیا جھکی نہیں ہے اور وہ دنیا کی طرف نہیں جھکا
سوائے عمر رضی اللہ عنہ اور اس کے بیٹے کے۔ (متدرک ۳/۵۶۰، صحیح علی شرط الشیخین ووافقہ الذہبی، مصنف ابن ابی
شیبہ ۱۲/۱۲۸، وفیات الاعیان لابن خلکان ۳/۲۹)

نافع سے پوچھا گیا کہ عبداللہ بن عمر اپنے گھر میں کیا کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا: (عام) لوگ اس کی طاقت نہیں رکھتے
آپ ہر نماز کے لئے وضو کرتے ہیں اور قرآن دیکھ کر تلاوت کرتے رہتے ہیں۔ (ابن سعد: ۴/۱۷۰، وسندہ صحیح)
امام ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ نے کہا: ابن عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے برابر کسی کی رائے کو نہ سمجھیں۔ آپ رسول اللہ ﷺ
کے بعد ساٹھ برس زندہ رہے ہیں۔ آپ پر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات میں سے کچھ بھی مخفی
نہ رہا۔ (متدرک: ۳/۵۵۹)

امام مالک رحمہ اللہ نے کہا: آپ ائمہ دین میں سے تھے۔ (المعرفة والتاریخ: ۱/۳۹۱)
اور کہا آپ نے ساٹھ سال لوگوں کو فتوے دیئے۔ (تہذیب التہذیب: ۵/۲۸۸)
حافظ ابن عبد البر الاندلسی لکھتے ہیں، آپ پر ہیزگارا اور صاحب علم تھے۔ آپ رسول اللہ ﷺ کے آثار کی اتباع میں سب
سے زیادہ عامل تھے۔ فتووں میں انتہائی جانچ پڑتال اور احتیاط فرماتے۔ زمن نبوی میں جہاد سے کبھی پیچھے نہیں رہے۔
(مفہوم: الاستیعاب: ۲/۳۲۶)

آپ کی سخاوت ضرب المثل ہے۔

ایک دفعہ آپ نے کہا: میرا جی آج مچھلی کھانے کو چاہتا ہے۔ آپ کے گھر والوں نے مچھلی پکا کر تیار کی اور آپ کے سامنے رکھ دی۔ اتنے میں ایک سائل آیا۔ آپ نے وہ مچھلی اسے دے دی۔ (الطبقات الکبریٰ لابن سعد ۱۰۸/۴، اسناد صحیح) ایک ہزار سے زیادہ غلاموں کو آپ نے خرید کر آزاد کر دیا۔ (النبلاء: ۳/۲۱۸، ۹/۳، اسناد صحیح) میمون بن مہران سے روایت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی کو لوگوں نے برا بھلا کہا: تو ان کی خدمت صحیح کیوں نہیں کرتی؟ وہ کہنے لگی: میں کیا کروں، ان کے لیے جو کھانا تیار کیا جاتا ہے وہ اپنے ساتھ دوسروں کو بھی کھلاتے ہیں۔ اس کے بعد آپ کی بیوی نے ان مسکینوں کو جو راستہ میں بیٹھے تھے بلا بھیجا اور انہیں کھانا کھلا کر کہا: آج آپ لوگ ان کے راستہ میں نہ بیٹھیں، اور دوسرے مسکینوں کے گھر پہلے ہی کھانا بھیج دیا اور کہہ دیا کہ: تمہیں اگر ابن عمر بلائیں تو نہ آئیں آپ گھر آئے اور ان کو بلا بھیجا تو وہ نہ آئے۔ آپ نے (اپنی بیوی سے) فرمایا: کیا تمہارا یہ ارادہ ہے کہ میں آج رات کا کھانا نہ کھاؤں؟ اس کے بعد آپ نے اس رات کھانا نہ کھایا۔ (ملخصاً: ابن سعد: ۱۶۶/۴، اسناد صحیح) آپ عشاء کا کھانا اکیلے نہ کھاتے۔ (ابن سعد: ۱۵۸/۴، اسناد صحیح)

ایک دفعہ آپ بیمار تھے۔ آپ کے لئے انکو خریدے گئے۔ اتنے میں ایک سائل آیا تو آپ نے وہ انکو اسے دے دیئے۔ (ابن سعد: ۱۵۸/۴، اسناد صحیح) نافع بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص آپ کے لئے جوارش (چورن) لے آیا۔ آپ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ اُس نے کہا: یہ کھانے کو ہضم کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا: میں پورا مہینہ سیر ہو کر نہیں کھاتا، مجھے اس (چورن) کی کیا ضرورت ہے؟ (ابن سعد: ۱۵۰/۴، سند صحیح)

آپ کو جو چیز زیادہ پسند ہوتی اس کو اللہ کی راہ میں دے دیتے۔ (ابن سعد: ۱۶۶/۴، حلیۃ الاولیاء: ۱/۲۹۵، اسناد صحیح) آپ بال کی کھال اتارنے کے سخت خلاف تھے۔ اس لئے واقع ہونے سے پہلے فرضی مسائل کا جواب ہی نہیں دیتے تھے۔ ایسے سوالات کے بارے میں آپ فرماتے: لا ادری... یعنی میں نہیں جانتا۔ (المعرفة والتاریخ: ۱/۲۹۰، اسناد حسن) ایک دفعہ ایک شخص کے سوال پر آپ نے فرمایا: لا ادری، کیا تمہارا یہ ارادہ ہے کہ جہنم میں ہماری پیٹھوں کا پل بنا کر کہو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیں یہ فتویٰ دیا تھا؟۔ (الفقیہ والمحققہ للخطیب البغدادی: ۲/۱۷۲، اسناد حسن)

نافع بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک مسئلہ پوچھا تو انہوں نے سر جھکا لیا اور کوئی جواب نہ دیا لوگ سمجھے کہ آپ نے سوال نہیں سنا۔ کہا گیا: اللہ آپ پر رحم کرے، کیا آپ نے سوال نہیں سنا؟ فرمایا: جی ہاں سنا ہے لیکن تمہارا کیا خیال ہے کیا اللہ تعالیٰ ہم سے نہیں پوچھے گا کہ تم لوگوں کو کیا مسئلہ بتاتے تھے؟ ہمیں سوال سمجھنے دو، اگر ہمارے پاس جواب ہوا تو جواب دیں گے ورنہ کہیں گے ہمیں کچھ علم نہیں ہے۔

(ابن سعد: ۱۶۸/۴، سند حسن)

ایک شخص نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے حجر اسود کے چومنے کا پوچھا۔ انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ اس کو ہاتھ لگاتے تھے اور چومتے تھے۔ اس شخص نے کہا: بھلا بتائیں اگر ہجوم ہو یا عاجز ہو جاؤں تو کیا کروں؟ انہوں نے کہا: یہ اگر مگر یمن میں جا کر رکھو۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ حجر اسود کو ہاتھ لگاتے تھے اور چومتے تھے۔ (صحیح بخاری کتاب الحج باب تقبیل الحجر: ۳۷۳۳ ج ۳ ص ۱۶۱۱)

ایک دفعہ آپ سے وتر کا مسئلہ پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا: وتر رات کے آخری حصہ میں ہوتا ہے۔ پوچھنے والے نے کچھ کہنا چاہا: اُرایت اُرایت (یعنی اگر مگر) تو آپ نے فرمایا: اپنی اس اگر مگر کو اُس ستارے پر رکھو۔ آپ نے آسمان کی طرف اشارہ کیا اور کہا: رات کی نماز دو رکعت ہے اور وتر رات کی آخری ایک رکعت ہوتی ہے۔ (المجم الکبیر للطبرانی: ۲۶۴/۱۲، واسنادہ حسن)

آپ کی اس سختی کی وجہ سے ان لوگوں کے منہ بند ہو گئے جو فرضی مسائل اور مویشی گافیوں میں سرگرداں تھے۔ آپ کی عظمت و جلالت و امامت پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ لوگوں نے آپ کو خلیفہ بنانے کی کوشش کی مگر آپ نے صاف انکار کر دیا۔ آپ اختلاف اور فرقہ بندی کے سخت خلاف تھے جنگ صفین اور جنگ جمل میں غیر جانبدار رہے۔ ابوالعالیہ البراء بیان کرتے ہیں کہ: میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے چل رہا تھا اور انہیں معلوم نہیں تھا۔ آپ اپنے آپ سے کہہ رہے تھے: یہ لوگ اپنی تلواریں کندھوں پر رکھے ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہیں اور مجھ سے کہتے ہیں کہ اپنا ہاتھ دو تاکہ ہم آپ کی بیعت کریں۔ (ابن سعد: ۱۵۱/۴، واسنادہ صحیح)

زید بن اسلم نے کہا: آپ فتنہ کے زمانہ میں ہر امیر کے پیچھے نماز پڑھ لیتے تھے اور انہیں زکوٰۃ بھی ادا کرتے۔ (طبقات ابن سعد: ۱۴۹/۴، واسنادہ صحیح)

آپ خشبوں (مختار النقی کے ساتھیوں) اور خارجیوں کو بھی سلام کہتے۔ (النبلاء: ۳۲۸/۳، السنن الکبریٰ للبیہقی: ۱۲۲/۳، واسنادہ صحیح)

آپ سے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں اور خارجیوں و خشبوں کے فتنہ کے متعلق پوچھا گیا: کیا آپ ان کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں جو ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہیں؟ آپ نے جواب دیا: جو شخص کہتا ہے اُو نماز کی طرف، تو میں قبول کر لیتا ہوں اور جو کہتا ہے اُو فلاح کی طرف، تو میں مان لیتا ہوں۔ لیکن جو شخص کہتا ہے کہ اُو مسلم بھائی کو قتل کریں اور اس کا مال چھین لیں تو میں نہیں مانتا۔ (ابن سعد: ۱۶۹/۱، حلیۃ الاولیاء: ۳۰۹/۱، واسنادہ صحیح)

آپ حجاج بن یوسف کے پیچھے بھی نماز پڑھ لیتے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی: ۱۲۲/۳، واسنادہ حسن)

آپ جس شخص کے پاس سے گزرتے اسے سلام کہتے اور فرماتے: میں گھر سے اسی لئے نکلتا ہوں کہ کسی کو سلام کروں یا مجھے کوئی سلام کرے۔ (ابن سعد: ۱۵۶/۴، واسنادہ حسن، نیز ملاحظہ ہو مصنف عبدالرزاق: ۳۸۶/۱۰ ج ۳ ص ۱۹۴۴)

ایک صحابی نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا: آپ اپنی بیعت کیوں نہیں کروا لیتے؟ آپ امیر المومنین کے بیٹے

ہیں اور خلافت کے سب سے زیادہ حق دار ہیں۔ انہوں نے فرمایا: کیا اس بات پر سارے لوگوں کا اجماع ہو گیا ہے؟ اس صحابی نے کہا: جی ہاں، تھوڑے سے لوگوں کو چھوڑ کر سب کا اجماع ہو گیا ہے۔ عبداللہ بن عمر نے فرمایا: ایک ہجر (ایک علاقہ) میں تین حبشی اس بات کے خلاف ہوئے تو مجھے خلافت کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ سائل نے پوچھا: اگر آپ کو جائیداد اور مال دیا جائے تو کیا خلافت پر بیعت کے لئے تیار ہو جائیں گے؟ فرمایا: دور ہو، نکل جا یہاں سے، پھر یہاں نہ آنا میرا دین تمہارے درہم و دینار کا محتاج نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں میں اس حالت میں دنیا سے سفر کروں کہ میرے ہاتھ صاف شفاف ہوں۔ (ابن سعد: ۱۶۴/۴، وسندہ صحیح)

آپ انتہائی سادہ لباس پہنتے، مونچھیں کٹواتے اور داڑھی کو زرد رنگ وغیرہ سے رنگتے۔ آپ کا ازار نصف پندلی تک ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل کرنے میں آپ پیش پیش رہتے۔ آپ نے اپنی انگوٹھی پر ”عبداللہ بن عمر“ لکھوا رکھا تھا۔ (ابن سعد: ۱۷۶/۴، ملخصاً وسندہ صحیح)

آپ مونچھیں (قینچی سے) اتنی باریک کرتے تھے کہ کھال نظر آنے لگتی تھی۔ (ابن سعد: ۱۷۷/۴، وسندہ صحیح)

عبداللہ بن عمر بن میسرہ القواریری فرماتے ہیں کہ: ایک دن سفیان بن عیینہ (مشہور محدث) ہمارے پاس تشریف لائے آپ نے اپنی مونچھیں اُسترے سے منڈوا رکھی تھیں۔ (تاریخ ابن ابی خثیمہ ص ۳۷۸، ۳۷۹ ح ۳۸۷، وسندہ صحیح)

دوسرے دلائل کو مد نظر پڑھتے ہوئے قینچی سے مونچھیں کٹوانا افضل ہے۔

ایک دفعہ ایک شامی نے آپ سے حج تمتع کا مسئلہ پوچھا۔ آپ نے فرمایا: حلال ہے۔ اس شخص نے کہا: آپ کے والد بزرگوار (عمر رضی اللہ عنہ) نے تو اس سے منع کیا ہے۔

آپ نے فرمایا: تمہارا اس چیز کے بارے میں کیا خیال ہے جس کو میرے باپ نے منع کیا اور رسول اللہ ﷺ نے اجازت فرمائی ہے؟ کیا میرے والد کی بات مانی جائے گی یا رسول اللہ ﷺ کی؟ شامی نے کہا: رسول اللہ ﷺ کی بات مانی جائے گی۔ تو آپ نے فرمایا کہ: رسول اللہ ﷺ نے تمتع کیا ہے یعنی اجازت دی ہے۔

(جامع ترمذی کتاب الحج: ۱۶۹/۱ ح ۸۲۴، وقال: هذا حديث حسن صحیح)

نافع بیان کرتے ہیں کہ ابن عمر (رضی اللہ عنہما) مسجد نبوی میں (صبح کے وقت) بیٹھے رہتے تھے حتیٰ کہ سورج بلند ہو جاتا اور آپ (چاشت کی) نماز نہ پڑھتے۔ پھر بازار جا کر اپنی ضروریات خریدتے پھر گھر آنے سے پہلے مسجد جا کر دو رکعتیں پڑھتے پھر اپنے گھر میں داخل ہوتے تھے۔ (ابن سعد: ۱۷۷/۴، وسندہ صحیح)

آپ چاشت کی نماز کو بدعت کہتے تھے۔ (صحیح بخاری ج: ۱، ۷۵، صحیح مسلم، ج: ۱، ۱۲۵۵)

امام نافع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ جارہے تھے۔ آپ نے بانسری کی آواز سنی تو اپنی انگلیاں کو اپنے کانوں میں دے دیں۔ یہ بانسری ایک چرواہے کی تھی اور راستہ سے ہٹ کر چلنے لگے اور کہنے لگے کہ اے نافع! کیا (اب بھی)

آواز آرہی ہے؟ جب میں نے کہا کہ: نہیں آرہی ہے تو اپنے کانوں سے انگلیاں نکال دیں اور فرمایا کہ: رسول اللہ ﷺ نے بھی اسی طرح کیا تھا۔ (صحیح ابن حبان، الموارح: ۲۰۱۳، مسند احمد: ۳۸۲، واسنادہ صحیح وأعلیٰ ابوداؤد: ۴۹۲۴، والصواب خلافہ) آپ سے اگر لغزش ہو جاتی تو فوراً رجوع کر لیتے۔ ایک دفعہ عبدالرحمن بن ابی ہریرہ نے آپ سے پوچھا کہ: سمندر نے بہت سی مردہ مچھلیاں باہر پھینکی ہیں کیا ہم انہیں کھائیں؟ آپ نے فرمایا: نہ کھاؤ۔

جب عبدالرحمن چلے گئے تو آپ نے گھر آکر قرآن پاک نکالا اور سورہ مائدہ پڑھی۔ جب اس آیت پر پہنچے کہ ﴿لکم صید البحر و طعامہ﴾ تو نافع سے کہا: جاؤ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے سے کہو: یہ کھانا ہے اسے کھائے۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (تفسیر ابن جریر: ۴۰/۷، واسنادہ صحیح)

یہ آپ کی عظمت کی دلیل ہے کہ فوراً اپنی لغزش سے رجوع کر لیا اور اس بات کا بے مثال ولا زوال ثبوت چھوڑ گئے کہ قرآن وحدیث کے مقابلہ میں کسی شخص کا اجتہاد حجت نہیں ہے چاہے کہنے والا کتنا ہی عظیم الشان کیوں نہ ہو۔ آپ دن میں دو دفعہ تیل لگاتے۔ (ابن سعد: ۱۵۷/۳، واسنادہ صحیح)

آپ جمعہ کے دن تیل اور خوشبو لگا کر ہی مسجد کو (نماز کے لئے) جاتے تھے۔ (ابن سعد: ۱۵۲/۴، وسندہ صحیح) آپ امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر پوری طرح کاربند تھے۔

مجاہد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: کسی شخص کو اپنے گھر والوں (یعنی بیوی وغیرہا) کو مسجد میں جانے سے منع نہیں کرنا چاہیے۔

آپ کے بیٹے نے کہا: ہم تو انہیں منع کریں گے۔ یہ سن کر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے (غضبناک ہو کر) فرمایا: میں تجھے رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کر رہا ہوں اور تو یہ کہہ رہا ہے؟ مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے مرنے دم تک کلام نہیں کیا۔ (مسند احمد: ۳۶۲، وسندہ صحیح)

آپ جب کسی شخص کو دیکھتے کہ رکوع سے پہلے اور بعد میں رفع الیدین نہیں کرتا تو آپ اس کو کنکریاں مارتے تھے۔ [حتی کہ وہ رفع یدین کرنے لگتا]۔

(مسند الحمیدی تحقیقی ج: ۶۱۵، جزء رفع الیدین للبخاری ج: ۱۵، مسائل احمد بروایت عبداللہ بن احمد: ۲۳۷۱، واسنادہ صحیح) قاسم بن محمد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کو عمر و بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس دیکھا آپ کندھوں کے برابر دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے۔ (ابن سعد: ۱۶۲/۱، واسنادہ حسن)

آپ جنازے کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے تھے۔ (جزء رفع الیدین للبخاری ج: ۱۱۰، وسندہ صحیح) آپ حج اور عمرے میں ایک مشیت سے زیادہ داڑھی کو کاٹ دیتے تھے۔ (صحیح البخاری ج: ۵۸۹۲) مروان بن سالم المقفع بیان کرتے ہیں کہ: ”رأیت ابن عمر یقبض علی لحیتہ یقطع ما زادت علی الکف“

میں نے حضرت عمر (رضی اللہ عنہما) کو دیکھا آپ ایک مشیت سے زیادہ داڑھی کو کاٹ دیتے تھے۔
(سنن ابی داؤد ج: ۲۳۵۷ وسندہ حسن، وحسنہ الدارقطنی: ۸۲۲۲ وصحیح الحاكم: ۴۲۲۱ ووافقہ الذہبی)
نافع بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) جب حج یا عمرے میں سرمنڈاتے تو اپنی داڑھی اور مونچھوں میں سے کچھ حصہ کاٹ دیتے تھے۔ (موطا امام مالک: ۳۹۶/۱، وسندہ صحیح)
آپ جب رمضان میں حج کا ارادہ کرتے تو حج سے فارغ ہونے تک، داڑھی اور سر کے بال نہیں کٹاتے تھے۔
(موطا امام مالک: ۳۹۶/۱، وسندہ صحیح)
امام مالک فرماتے ہیں کہ لمیس ذلک علی الناس لوگوں پر یہ عمل ضروری نہیں ہے۔ (موطا: ص ۳۹۶)
ابن عمر اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہما دعا کرتے تو دونوں ہتھیلیاں اپنے چہرے پر پھیرتے تھے۔ (لأدب المفرد: ۶۰۹، وسندہ حسن)
نافع بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دفعہ گھاس چارے والے کمرے میں، ایک کپڑے میں نماز پڑھ رہا تھا تو ابن عمر (رضی اللہ عنہما) نے پوچھا: کیا میں نے تجھے دو کپڑے نہیں دیئے؟ میں (نافع) نے کہا: جی ہاں دیئے ہیں۔ انہوں نے فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے اگر میں تجھے اس حالت میں مدینے کے بعض علاقے (مثلاً بازار) میں بھیج دوں تو چلے جاؤ گے؟ میں نے کہا: نہیں، تو انہوں نے فرمایا: پس کیا اللہ زیادہ مستحق ہے کہ اس کے سامنے خوبصورتی اختیار کی جائے یا لوگ؟ پھر فرمایا: رسول اللہ ﷺ یا عمر (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ: جس کے پاس دو کپڑے ہوں تو وہ ان میں نماز پڑھے اور جس کے پاس صرف ایک کپڑا ہو تو وہ اسے ازار بنا کر اور کندھوں پر ڈال کر نماز پڑھے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی: ۲۳۶/۲، وسندہ صحیح)
ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے الأمر الاول (یعنی قرآن وحدیث) کی اتباع میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی شخص کو نہیں دیکھا۔ (النبلاء: ۲۰۸/۳)
مسند قتی بن مخلد میں آپ کی دو ہزار چھ سو تیس ۲۶۳۰ حدیثیں ہیں، ۸۱ صرف صحیح بخاری میں اور ۳۱ صرف صحیح مسلم میں ہیں (النبلاء: ۲۳۸/۳)
ابوالوازع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آپ سے کہا: جب تک آپ لوگوں میں ہیں، خیریت رہے گی۔ (یعنی لوگ آپ کی برکت سے خیر وعافیت کے ساتھ رہیں گے) تو آپ غضبناک ہو گئے اور فرمایا: میرا خیال ہے کہ تو عراقی ہے۔ تمہیں کیا خبر کہ تمہارا بھائی کس حالت پر دروازہ بند کرتا ہے۔ (یعنی اس کی خلوت کے بارے میں تمہیں کیا علم ہے؟)
(ابن سعد: ۱۶۱/۴ واسنادہ حسن)

یہ کس نفسی کی اعلیٰ مثال ہے۔

ایک عراقی نے آپ سے چھڑ کے خون کے بارے میں پوچھا، جو کپڑے کو لگ جاتا ہے تو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کی طرف دیکھو یہ چھڑ کے خون کے بارے میں پوچھ رہا ہے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے بیٹے (یعنی نواسے حسین

رضی اللہ عنہ) کو قتل کیا ہے اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا کہ حسن اور حسین میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں۔
(جامع ترمذی: ۱۲۸/۲ ح ۷۰۳۷۰ وقال: هذا حديث صحيح)

خالد بن سمیر کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حجاج (بن یوسف) الفاسق نے منبر پر خطبہ دیا تو کہا: بے شک (عبداللہ) بن الزبیر نے قرآن میں تحریف کی ہے۔ تو (عبداللہ) بن عمر بولے: تو نے جھوٹ کہا، نہ وہ اس کی طاقت رکھتے تھے اور نہ تو اس (تحریف) کی طاقت رکھتا ہے۔ حجاج (غصے سے) بولا: چپ ہو جا اے بوڑھے تو سٹھیا گیا ہے اور تیری عقل چلی گئی ہے۔ (ابن سعد: ۱۸۴/۴، وسندہ حسن)

آپ کی مرض وفات میں جب حجاج بن یوسف عیادت کے لئے آیا تو آپ نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور حجاج سے کوئی بات نہیں کی حتیٰ کہ وہ چلا گیا۔ (ابن سعد: ۱۸۶/۴ وسندہ صحیح، تاریخ دمشق: ۳۳/۱۲۸، ۱۲۹)
آپ ولدۃ الامور (مسلمان حکمرانوں) کے خلاف خروج کے سخت مخالف تھے۔ آپ نے یزید بن معاویہ کی بیعت کی اور اس بیعت کو توڑنے سے انکار کر دیا۔ (دیکھئے صحیح البخاری ج: ۱۱۱۱)

عبید بن جریج (تابعی) بیان کرتے ہیں کہ: عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) سے کہا گیا: آپ چار ایسے کام کرتے ہیں جو دوسرے صحابہ نہیں کرتے۔ انہوں نے پوچھا: وہ کیا ہیں؟ عبید بن جریج نے کہا: آپ (طواف میں) صرف رکن یمانی کو ہی چھوتے ہیں۔ بغیر بالوں والے جوتے پہنتے ہیں، زرد خضاب لگاتے ہیں اور جب آپ مکہ میں ہوں تو آٹھ (۸) ذوالحجہ کو ہی حج کی بلیک کہتے ہیں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا: رسول اللہ ﷺ صرف یمانی رکنوں کو ہی چھوتے تھے آپ بغیر بالوں والے جوتے پہنتے تھے اور انہی میں وضو کرتے تھے اور میں اسے (آپ کی سنت کی وجہ سے) پسند کرتا ہوں۔ آپ زرد خضاب لگاتے تھے اور جب آپ کی سواری (حج کے لئے) چلتی تو بلیک کہتے تھے۔
(صحیح البخاری: ۱۶۶ باب غسل الرجین فی العلین)

اس حدیث سے کئی مسئلے معلوم ہوئے۔

- ۱: ابن عمر رضی اللہ عنہما اتباع سنت کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے۔
 - ۲: رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں حجت شرعیہ ہیں۔
 - ۳: صحابہ کے زمانے میں کسی کام کا نہ ہونا، اگر اس کام کا ثبوت دوسری دلیل سے ہو، تو ترک یا منع کی دلیل نہیں ہوتا۔
 - ۴: شاگرد کا استاد سے سوال کرنا، اس کی دلیل نہیں ہے کہ استاد کا عمل ضرور غلط ہے۔
- ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لو تر کنا هذا الباب للنساء اگر ہم یہ دروازہ عورتوں کے (داخلے کے) لئے چھوڑ دیں تو (بہتر ہے) نافع بیان کرتے ہیں کہ: عبداللہ بن عمر اپنی وفات تک (مسجد نبوی کے) اس دروازے سے کبھی داخل نہیں ہوتے۔ (سنن ابی داؤد: ج ۲۲، وسندہ صحیح)

اس روایت کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

متفق علی صحیحہ، اس کے صحیح ہونے پر اتفاق ہے۔ (تاریخ الاسلام: ۴۵/۵)

جس دن آپ عشاء کی باجماعت نماز سے رہ جاتے تو ساری رات قیام کرتے تھے۔ (تاریخ دمشق لابن عساکر: ۸۷/۳۳۰ وسندہ حسن)
آپ کو جو چیز زیادہ پسند ہوتی تو اسے اللہ کی راہ میں دے دیتے تھے۔ ایک دفعہ آپ مدینے کی بعض نواحی بستیوں میں تشریف لے گئے، کھانے کا وقت ہوا تو آپ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ دسترخوان بچھا لیا، دیکھا کہ ایک چرواہا بکریاں چرا رہا ہے، اسے بلا کر فرمایا: ہمارے ساتھ کھانا کھاؤ، وہ بولا: میرا روزہ ہے، آپ سخت حیران ہوئے: اتنی گرمی میں روزہ رکھتے ہو؟ وہ بولا: میں ان دنوں کو (مرنے کے بعد زندگی کے لئے) غنیمت سمجھتا ہوں، عبد اللہ بن عمر نے اس کا امتحان لینے کے لئے پوچھا: ایک بکری ہمیں بیچ دو، وہ بولا: یہ بکریاں میری نہیں ہیں بلکہ مالک کی ہیں۔ آپ نے (بطور امتحان) فرمایا: مالک کو کہہ دینا کہ بھیڑیا بکری کھا گیا ہے۔ اس چرواہے نے جواب دیا: پھر اللہ کہاں ہے؟ یعنی اللہ دیکھ رہا ہے، آپ اتنے خوش ہوئے کہ اس غلام کو اس کے مالک سے خرید کر آ کر دیا اور بکریاں بھی خرید کر اس کے حوالے کر دیں۔ (تاریخ دمشق ملخصاً: ۸۹/۳۳۰، وسندہ حسن)

زید بن اسلم کے والد اسلم بیان کرتے ہیں کہ:

(سیدنا) عمر رضی اللہ عنہ سیرت پر عمل کرنے میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سب سے آگے تھے۔ (ابن سعد: ۴/۱۵۰ وسندہ صحیح)
سعید بن مصعب فرماتے ہیں کہ: عبد اللہ بن عمر اپنے والد عمر (رضی اللہ عنہما) کے بہت زیادہ مشابہ تھے۔

(ابن سعد: ۴/۱۵۰ وسندہ صحیح)

وَبَرَّہ (تابعی) بیان کرتے ہیں کہ: ایک آدمی نے ابن عمر (رضی اللہ عنہما) سے پوچھا: میں اگر حج کا احرام باندھ لوں تو بیت اللہ کا طواف کروں؟ انہوں نے فرمایا: تجھے طواف سے کس نے روکا ہے۔ اُس نے کہا فلاں آدمی اسے ناپسند کرتا ہے۔ اُس تو ابن عمر نے فرمایا: ہم نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ نے حج کا احرام باندھا اور بیت اللہ کا طواف کیا صفا و مروہ کے درمیان سعی کی۔ پس اللہ اور اس کے رسول کی سنت پر عمل، فلاں کی تابعداری سے زیادہ بہتر ہے اگر تو اپنی بات میں سچا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۳ ص ۲۳۳ ملخصاً)

ایک آدمی نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا: اَلَا تَغْزُو، آپ جہاد کیوں نہیں کرتے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: کلمہ شہادت، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، رمضان کے روزے اور حج کعبہ۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۶)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ تہتر (۷۳ھ) کو فوت ہوئے۔ (تاریخ بغداد: ۱۷۳/۱)

حافظ ذہبی وغیرہ کے بقول آپ کا انتقال چوتہتر (۷۴ھ) کو ہوا۔ رضی اللہ عنہ

ابو جابر عبد اللہ دمانوی

سوال: شیطان اگر ہر جگہ آکر لوگوں کو بہکا سکتا ہے تو کیا نبی ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں ہو سکتے؟

الجواب بعون الوهاب

تمام دنیا کو بہکانے کے لئے ایک ہی شیطان متعین نہیں کیا گیا ہے بلکہ ہر انسان کے ساتھ جنوں میں سے ایک قرین (ساتھی) پیدا کیا جاتا ہے جو اسے زندگی بھر بہکا تا اور گمراہ کرتا ہے۔ جناب عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَقَدْ وَكَّلَ بِهِ قَرِينُهُ، مِنَ الْجِنِّ وَ قَرِينُهُ، مِنَ الْمَلَائِكَةِ قَالُوا وَ إِيَّاكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ وَ إِيَّائِي وَ لَكِنَّ اللَّهَ أَعَانَنِي عَلَيْهِ فَاسْلَمَ فَلَا يَأْهُرُنِي إِلَّا بِخَيْرٍ

(صحیح مسلم کتاب صفات المنافقین باب تحریش الشیطان و بعلہ سر ایاء الفتنة الناس وان مع کل انسان قرینا۔ حدیث نمبر: ۷۱۰۸ بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح منہاج احمد ۱/۳۸۵) مکمل تخریج کے لئے ملاحظہ فرمائیں: موسومہ مسند (۱۵۹/۶) حدیث نمبر: (۳۶۴۸)

تم میں سے کوئی ایسا شخص نہیں ہے کہ جس کا ساتھی میں اور اس کا ساتھی ملائکہ میں سے مقرر نہیں کیا گیا ہو صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا آپ کے لئے بھی؟ آپ نے فرمایا: ہاں میرے لیے بھی مقرر کیا گیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس پر میری مدد کی ہے اور وہ مسلم ہو گیا ہے لہذا وہ مجھے سوائے بھلائی کے اور کسی چیز کا حکم نہیں دیتا، اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ ”ہر انسان کے ساتھ شیطان ہے“ (مسلم ایضاً)

قرآن میں ہے: ﴿قَالَ قَرِينُهُ رَبَّنَا مَا أَطْعَمْتُهُ، وَلَكِنْ كَانَتْ فِي ضَلَالٍ بِعِيدٍ﴾ (ق: ۲۷) (قیامت کے دن) اس شخص کا ساتھی (شیطان) کہے گا ”ہمارے پروردگار میں نے اسے سرکش نہیں بنایا تھا بلکہ یہ خود دور تک کی گمراہی میں پڑا ہوا تھا“

شیطان اعظم (ابلیس) اکیلا یہ کام نہیں کرتا بلکہ وہ دوسرے شیاطین کو اس مقصد کے لیے بھیجتا ہے تاکہ وہ لوگوں کو گمراہ کریں اور فتنہ میں مبتلا کریں۔ جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابلیس اپنا تختہ پانی کے اوپر بچھاتا ہے پھر اپنی فوج (شیاطین) کو حکم دیتا ہے کہ وہ لوگوں میں جا کر ان کو گمراہ کریں اور فتنہ میں ڈالیں۔ ابلیس کی اس جماعت میں ادنیٰ سا شیطان وہ ہے جو انتہاء درجہ کا فتنہ پرداز ہوتا ہے ان میں سے ایک شیطان واپس آکر ابلیس سے کہتا ہے کہ میں نے ایسا ایسا کام کیا وہ کہتا ہے تو نے کچھ نہیں کیا اس کے بعد ایک شیطان آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے ایک شخص کا پیچھا اس وقت

تک نہیں چھوڑا جب تک کہ اس اور اس کی بیوی کے درمیان تفرقہ نہ ڈال دیا۔ آپ نے فرمایا: میں نے کراہتیں اس کو قریب کر لیتا ہے اور کہتا ہے کہ تو نے بہت اچھا کام کیا۔ اعمش رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ جابر رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ بھی کہے کہ اہلیس اسے سینہ سے لگا لیتا ہے۔ (صحیح مسلم ایضاً؛ مشکوٰۃ المصابیح کتاب الایمان باب فی الوسوسۃ)
اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ اکیلا اہلیس (شیطان اعظم) یہ سارا کام نہیں کرتا بلکہ اس کے رضا کار شیطان اور لشکر یہ کام سرانجام دیتے ہیں۔ لہذا سوال میں جو دعویٰ کیا گیا تھا وہی غلط ثابت ہوا۔

رہا یہ دعویٰ کہ رسول اللہ ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں تو یہ دعویٰ بھی قرآن اور احادیث رسول اللہ ﷺ کے سراسر خلاف ہے۔ رسول اللہ ﷺ نہ تو غیب کا علم جانتے تھے اور نہ ہی حاضر و ناظر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جب اور جس وقت چاہا وہی کے ذریعے آگاہ فرمادیا اور جب تک وحی نازل نہ ہوتی تو آپ اس بات سے بالکل بے خبر رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ إِن تَبِعُوا إِلَّا مَا يُوْحَىٰ إِلَيَّ﴾
آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں (اللہ کے خزانوں کا مالک میں نہیں ہوں) اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو صرف اس وحی کی اتباع کرتا ہوں جو میری طرف کی جاتی ہے۔ (الانعام آیت ۱۰)

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے علم غیب کی وحی فرمادی اور ساتھ ہی یہ بھی بیان کر دیا کہ آپ صرف وحی کے تابع ہیں، وحی آ جانے کے بعد ہی آپ غیب کی خبر دیتے ہیں۔ لا اعلم مضارع کا صیغہ ہے یعنی میں غیب نہیں جانتا، میں غیب نہیں جانوں گا، یعنی میں نہ اب غیب جانتا ہوں اور نہ آئندہ جانوں گا، نیز اللہ کے خزانوں کا بھی میں مالک نہیں ہوں، میں کج بخش نہیں ہوں اور نہ ہی میں نوری (فرشتہ) ہوں علم غیب صرف اور صرف خاصہ رب العالمین ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ﴾
”آپ کہہ دیجئے کہ آسمان والوں اور زمین والوں میں کوئی بھی غیب نہیں جانتا سوائے اللہ تعالیٰ کے اور انہیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے“ (نمل آیت: ۶۵)

علم غیب کی نفی سے حاضر و ناظر کی بھی نفی ہوگئی البتہ حاضر و ناظر کے متعلق بھی چند آیات ملاحظہ فرمائیں:
﴿وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ﴾ ○ ﴿وَلَكِنَّا أَنْشَأْنَا قُرُونًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِي أَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُو عَلَيْهِمُ الْآيَاتِ وَلَكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ﴾ ○ ﴿وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا لَكِنَّ رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ لِنُنذِرَ قَوْمًا مَّا أَتَهُمْ مِّن نَّذِيرٍ مِّن قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ﴾
(القصص آیات ۲۵، ۲۶، ۲۷)

”اور آپ طور کے مغربی جانب موجود نہ تھے جب ہم نے (موسیٰ کی طرف) حکامات کی وحی نازل فرمائی تھی اور نہ ہی آپ شاہدین (اس واقعہ کے دیکھنے والوں) میں سے تھے۔ لیکن ہم نے بہت سی نسلیں پیدا کیں جن پر لمبی مدتیں گزر گئیں اور نہ تو مدین کے رہنے والوں میں سے تھا کہ ان کے سامنے ہماری آیتوں کو تلاوت کرتا بلکہ ہم ہی رسولوں کے بھیجنے والے ہیں اور نہ تو طور کی طرف تھا جب کہ ہم نے (موسیٰ علیہ السلام کو) آواز دی بلکہ یہ تیرے رب کی طرف سے ایک رحمت ہے اس لئے کہ ان لوگوں کو ہوشیار کر دے جن کے پاس تجھ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا، کیا عجب کہ وہ نصیحت حاصل کریں“ آپ چونکہ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے گزشتہ کے واقعات آپ کو بذریعہ وحی بتا دیئے ہیں ورنہ ان واقعات کے ظہور کے وقت آپ ان مقامات پر موجود نہیں تھے۔

﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ﴾ (الانفال: ۳۳)

”اور اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہیں دے گا جب کہ آپ ان میں موجود ہوں اور اللہ ان کو عذاب نہ دے گا اس حالت میں کہ وہ (شرک و کفر سے) توبہ واستغفار کرتے ہوں“

معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کی موجودگی کی وجہ سے لوگوں پر عذاب نہیں آسکتا۔ اب چونکہ آپ موجود نہیں ہیں اس لئے طرح طرح کے عذاب نازل ہو رہے ہیں۔

﴿وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ﴾ ”اور جب آپ ان میں موجود ہوں تو انہیں نماز پڑھائیں“ (النساء: آیت ۱۰۲) اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ جب موجود ہوں تو آپ ہی لوگوں کو نماز پڑھائیں گے اور اب چونکہ آپ موجود نہیں ہیں اس لئے دوسرے امام لوگوں کو نماز پڑھا رہے ہیں۔

اس سلسلہ میں مزید حوالہ جات کے لئے ملاحظہ فرمائیں، یوسف آیت: ۱۰۲، ہود آیت: ۴۹، آل عمران آیت: ۴۴ وغیرہ اگر رسول اللہ ﷺ کو حاضر و ناظر مان لیا جائے تو پھر معراج اور ہجرت کے تمام واقعات باطل قرار پاتے ہیں۔ معراج میں نبی ﷺ مکہ سے بیت المقدس تشریف لے گئے (دیکھئے سورۃ بنی اسرائیل آیت: ۱) اور پھر آپ زمین سے آسمان اور سدرۃ المنتہی تک تشریف لے گئے۔ (دیکھئے سورۃ النجم آیات: ۱۳ تا ۱۸)

یعنی جب آپ مسجد اقصیٰ تشریف لے گئے تو پھر آپ مکہ میں موجود نہ تھے اور جب آپ آسمانوں پر تشریف لے گئے تو زمین پر موجود نہ تھے، اسی طرح جب آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو آپ مکہ مکرمہ میں موجود نہ تھے حالانکہ مشرکین مکہ آپ کو سرگرمی سے تلاش کر رہے تھے معلوم ہوا کہ حاضر و ناظر کا عقیدہ اہل اسلام کا نہیں بلکہ چودھویں صدی کے مشرکین کا ایجاد کردہ ہے۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

(تنبیہ: شیطان مردود کے علم وغیرہ کا ذکر، نبی ﷺ کے ساتھ کرنا، آپ ﷺ کی گستاخی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے نبی ﷺ کی کشتاخی سے ہر مسلمان کو بچائے، آمین)

قسط دوم: نزول مسیح

ادراج کی بحث: بعض اشخاص نے لکھا ہے: ”زہری کی عادت ادراج کی بھی تھی“ ”ادراج“ کہتے ہیں حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے الفاظ کے ساتھ اپنے الفاظ ملا دینے کو یعنی حدیث میں اپنی طرف سے کچھ الفاظ درج کر دینا“ (نزول مسیح کا تصور: ص ۱۲۰) حالانکہ ائمہ محدثین نے ادراج کو راوی کی عدالت میں کبھی جرح قرار نہیں دیا ادراج کی تعریف میں اصول حدیث کے ایک زبردست امام اور جید محقق ابن الصلاح فرماتے ہیں:

”معرفة اقسام منها ما أدرج في حديث رسول الله ﷺ من كلام بعض رواه بأن يذكر الصحابي أو من بعده عقيب ما يرويه من الحديث كلاماً من عند نفسه فيرويه من بعده موصولاً بالحديث غير فاضل بينهما بذكر قائله فيلتبس الأمر فيه على من لا يعلم حقيقة الحال ويتوهم أن الجميع عن رسول الله ﷺ“

اسکی کئی قسمیں ہیں، ان میں سے وہ بھی ہے جو حدیث رسول میں بعض راویوں کا کلام درج ہو جائے، وہ اس طرح کہ کوئی صحابی یا جو اس سے نیچے ہے اپنی طرف سے اس حدیث میں کوئی کلام (بطور تفسیر) ذکر کرے، جسے وہ روایت کر رہا ہے تو بعد کا راوی اسے حدیث کے ساتھ ملا کر (موصول) روایت کر دے، اور قائل کے کلام کو جدا نہ کرے (اس شخص پر) جو حقیقت حال سے بے خبر ہے، معاملہ مشتبہ ہو جائے اور اسے یہ وہم ہو کہ یہ سب کچھ نبی ﷺ کی حدیث میں ہے۔ (مقدمہ: ص ۱۲۷)

معلوم ہوا کہ راوی کی غلطی نہیں ہوتی، وہ حدیث کی شرح و تفسیر میں کچھ کلام عرض کرتا ہے، جسے بعد کا راوی اصل بات سے بے خبری کی وجہ سے متن حدیث میں درج کر دیتا ہے۔ محدثین کرام پر اللہ تعالیٰ کی ان گنت، بے شمار رحمتیں ہوں انہوں نے انتہائی باریک بینی اور غیر جانبداری سے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی جدا کر دیا ہے، اور عدل و انصاف کی میزان ہاتھ میں لے کر اپنی لا جواب تحقیقات سے یہ واضح کر دیا ہے، کہ یہ متصل، یہ منقطع، یہ محفوظ اور یہ شاذ ہے، یہ سالم من الادراج اور یہ مدرج ہے، وغیرہ رحمہم اللہ اجمعین۔

مدرج کے موضوع پر متعدد علماء نے کتابیں لکھی ہیں، مثلاً خطیب بغدادی کی ”الفصل للوصل في مدرج النقل“ (اس کے قلمی نسخے کی فوٹو سٹیٹ میں نے دیکھی ہے) حافظ ابن حجر کی ”تقریب المنہج بترتیب المدرج“، اور جلال الدین السيوطی کی ”المدرج إلى المدرج“ (یہ ہماری لائبریری میں موجود ہے)

اب ان علماء کے نام لکھتا ہوں جنہوں نے کسی حدیث کی تشریح میں کوئی کلمہ کہا، اور بعد کے راویوں نے متن میں درج کر دیا۔

۱: عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (مقدمہ ابن الصلاح ص ۱۲۸، المدرج إلی المدرج ص ۱۱)

۲: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (المدرج إلی المدرج ص ۱۸، ۲۱)

۳: سالم بن ابی الجعد (المدرج ص ۴۶)

کیا انہیں بھی مجروح قرار دیا جائے گا؟ ہرگز نہیں اسی طرح اس نام نہاد جرح سے امام زہری بری ہیں۔

حافظ ابن حجر العسقلانی فرماتے ہیں:

”والأصل عدم الأضرار ولا يثبت إلا بدليل“ اور اصل علوم اذراج کا دعویٰ دلیل کے بغیر ثابت نہیں ہوتا۔

(فتح الباری: ۳۱۱/۷)

خلاصہ: مختصر یہ کہ امام زہری جلیل القدر سنی عالم، مشہور تابعی، ثقہ حجت تھے، ان کی روایت اعلیٰ درجہ کی صحیح ہوتی ہے

گولڈز بہرہودی اور اس کے مقلدین کی خود ساختہ جروح قطعاً مردود ہیں، بلکہ منکرین رسالت کی ان جروح سے امام

زہری کی شان اور زیادہ بلند ہو جاتی ہے، اس ولی من اولیاء پر اللہ کی لاکھوں کروڑوں رحمتیں ہوں۔ رحمہ اللہ

امام زہری سے نزول مسیح کی یہ حدیث جن شاگردوں نے سنی ان کا (ص ۶) پر ذکر کیا جا چکا ہے، اب ان روایات کا مختصر

تذکرہ پیش خدمت ہے۔

۱: لیث بن سعد: آپ صحاح ستہ کے راوی اور ”ثقہ، ثبت، فقیہ، امام مشہور“ تھے (تقریب: ۵۶۸۴) آپ سے یہ

حدیث درج ذیل علماء نے بیان کی ہے۔

۱: یحییٰ بن بکیر (السنن الکبریٰ للبیہقی: ۲۴۴/۱)

ب: ہاشم (مسند احمد: ۵۳۸/۲)

ج: یزید بن مویہب (صحیح ابن حبان: ۶۷۷۹)

د: احمد بن سلمہ (السنن الکبریٰ للبیہقی: ۲۴۴/۱)

ه: قتیبہ بن سعید (صحیح بخاری: ۲۲۲۲، صحیح مسلم: ۱۵۵، سنن ترمذی: ۲۲۳۳، الایمان لابن منندہ:

۴۰۷، من طریق النسائی عنہ)

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں قتیبہ بن سعید کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

”والذی نفسی بیده لیوشکن أن ینزل فیکم ابن مریم حکماً مقسطاً فیکسر الصلیب

ویقتل الخنزیر ویضع الجزیة ویفیض المال حتی لا یقبله أحد“

اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، ضرور عنقریب تم میں ابن مریم حاکم، عادل بن کرنازل ہوں گے پس

وہ صلیب توڑ دیں گے اور مال کو بہادیں گے حتیٰ کہ اسے کوئی بھی قبول نہیں کرے گا۔
امام ترمذی نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا: ”هذا حديث حسن صحيح“
و: محمد بن ریح (صحیح مسلم: ۱۵۵)

۲: سفیان بن عیینہ: آپ سے درج ذیل علماء نے یہ حدیث انتہائی معمولی اختلاف کے ساتھ بیان کی ہے۔
الف: علی بن عبداللہ المدینی (صحیح بخاری: ۲۳۴۴) اس کے شروع میں ”لا تقوم الساعة“
کے الفاظ زیادہ ہیں۔

ب: زہیر بن حرب (صحیح مسلم: ۱۵۵)
ج: ابوبکر بن ابی شیبہ (المصنف: ۱۴۴/۱۵، وعنه ابن ماجہ: ۴۰۷۸)
د: عبدالاعلیٰ بن حماد (صحیح مسلم: ۱۵۵)
ه: عمرو الناقد (مسند ابی یعلیٰ الموصلی: ۵۸۷۷)
و: احمد بن حنبل (فی مسندہ: ۲۴۰/۲)
ز: ابن ابی عمر (الشریعۃ للجرى ص ۳۸۱)
ح: الحمیدی (المستخرج علی صحیح مسلم لابی عوانہ: ۱۰۵/۱)
(دیکھئے اسنن الکبریٰ للبیہقی: ۱۰۱/۶)

۳: صالح بن کیسان المدنی: (دیکھئے تحفۃ الاشراف للحافظ المزنی: ۲۷، ۲۶/۱۰)
آپ صحاح ستہ کے راوی ”ثقة ثبت فقیہ“ تھے (تقریب: ۲۸۸۴) امام زہری آپ کے استاد ہیں۔ (تہذیب الکمال: ۴۷/۹)
اور ابراہیم بن سعد الزہری ان کے شاگرد ہیں (تہذیب الکمال للحافظ المزنی: ۴۷/۹) آپ سے ابراہیم الزہری نے
اور ان سے یعقوب بن ابراہیم نے یہ حدیث سنی، یعقوب بن ابراہیم سے اسحاق نے (صحیح بخاری: ۳۴۴۸) عبد بن
حمید، حسن الحلوانی (صحیح مسلم: ۱۵۵/۳۹۰) ابوداؤد الحرامی (صحیح ابی عوانہ: ۱۰۵/۱) اور محمد بن یحییٰ الذہبی (السنن الکبریٰ
للبیہقی: ۱۸۰/۹) نے یہ حدیث بیان کی، بخاری وغیرہ میں یہ الفاظ زیادہ ہیں۔

”وحتى تكون السجدة الواحدة خيراً من الدنيا وما فيها ثم يقول أبو هريرة: اقرؤا إن

شئتم وإن من أهل الكتاب إلا ليؤمنن به قبل موته الآية“

یہاں تک کہ (ان کے نزدیک) ایک وقت کا سجدہ دنیا و ما فیہا سے بہتر ہوگا، پھر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر
(تصدیق) چاہتے ہو تو پڑھو: ”اور کوئی اہل کتاب ایسا نہیں ہوگا جو عیسیٰ کی موت سے پہلے اس پر ایمان نہ لائے“
بعض لوگوں نے پوچھا ہے کہ امام بخاری کا استاد ”اسحاق“ کون ہیں، تو عرض ہے کہ وہ اسحاق بن راہویہ ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وقد أخرج أبو نعيم في المستخرج هذا الحديث من مسند إسحاق بن راهويه وقال:

أخرجه البخاري عن إسحاق“

اور ابو نعیم (اصہبانی) نے مستخرج (علی صحیح البخاری) میں یہ حدیث مسند اسحاق بن راہویہ سے روایت کی ہے اور کہا: اسے بخاری نے اسحاق سے روایت کیا ہے۔ (فتح الباری ط ۱۳۲۸ھ: ۳۸۲/۶)

دوسرے یہ کہ عبد بن حمید وغیرہ نے اسحاق کی متابعت کر رکھی ہے لہذا ان پر اعتراض ہر لحاظ سے مردود ہے۔

۴: معمر (مصنف عبد الرزاق: ۲۰۸۴۰ وعنه احمد في مسنده: ۲۷۲/۲)

۵: یونس بن یزید (صحیح مسلم: ۱۵۵، الايمان لابن منده: ۴۱۱)

۶: ابن جریج (صحیح ابی عوانہ: ۱۰۴/۱)

۷: اوزاعی (ابو عوانہ: ۱۰۵/۱، مشکل الآثار للطحاوی: ۲۷۱/۱)

۸: عبد العزیز بن عبد اللہ ابی سلمہ الماشون (مسند علی بن الجعد: ۲۸۶ وعنه البغوي في شرح السنه: ۸۰/۱۵)

وقال: هذا حديث متفق على صحته

۹: ابن ابی ذئب (مسند ابی داود الطيالسی: ۲۲۹، مشکل الآثار: ۲۸/۱)

مختصر یہ کہ سعید بن المسیب رحمہ اللہ کی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔

(۲) نافع مولیٰ ابی قتادہ الانصاری: آپ صحاح ستہ کے راوی اور ثقہ ہیں (تقریب التہذیب: ۷۰۷/۴)

آپ سے یہ حدیث امام زہری نے بیان کی ہے، ان کا تذکرہ گزر چکا ہے، آپ سے یہ حدیث درج ذیل علماء نے سن کر آگے بیان کی ہے۔

الف: یونس (بن یزید الایلی) آپ جمہور کے نزدیک ثقہ ہیں اور صحاح ستہ کے راوی ہیں، آپ کی روایت صحیح بخاری:

۳۴۴۹، صحیح مسلم: ۱۵۵، کتاب الايمان لابن منده: ۴۱۴، شرح السنه للبغوي: ۸۲/۱۵ وغیرہ میں ہے۔

ب: معمر (مصنف عبد الرزاق: ۲۰۸۴۱ وعنه احمد: ۲۷۲/۲ وابن منده في الايمان: ۴۱۵)

ج: عقیل (کتاب الايمان لابن منده: ۴۱۶ وعنه ابن حجر في تغليق التعليق: ۴۰/۴)

د: اوزاعی (الايمان لابن منده: ۴۱۳ وعنه ابن حجر في تغليق التعليق: ۴۰/۴، البعث للبيهقي كافي فتح الباري

: ۳۸۵/۶، معجم ابن الاعراب كافي تغليق التعليق صحیح ابن حبان: ۶۷۶، صحیح ابن عوانہ: ۱۰۶/۱)

ه: ابن اثیر (صحیح مسلم: ۱۵۵)

و: ابن ابی ذئب (صحیح مسلم: ۱۵۵/۲۴۶، مسند احمد: ۳۳۶/۲، صحیح ابن عوانہ: ۱۰۶/۱)

صحیح بخاری صحیح مسلم میں یونس بن یزید کی روایت کے الفاظ درج ذیل ہیں۔

”کیف أنتم إذا نزل ابن مریم فیکم وإمامکم منکم“

تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا جب عیسیٰ بن مریم تم میں اتریں گے اور تمہارا امام تم میں سے (ہی) ہوگا۔

کتاب الاسماء والصفات للبیہقی میں یونس کی روایت کے الفاظ درج ذیل ہیں:

”کیف أنتم إذا نزل ابن مریم من السماء فیکم وإمامکم منکم“

تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا جب ابن مریم آسمان میں سے اتریں گے اور تمہارا امام تم میں سے ہوگا۔

(ص ۵۳۵ و فی نسخہ آخری ص ۴۴۴)

یہ دونوں روایتیں صحیح ہیں اور ان میں کوئی تعارض نہیں ہے ”من السماء“ کے اور شواہد بھی ہیں جو آگے آرہے ہیں۔

(دیکھئے ص☆☆☆) امام بغوی نے بخاری کی حدیث کے بارے میں شرح السنہ میں فرمایا ہے:

”هذا حدیث متفق علی صحته“

ایک اہم بات: امام بیہقی مستقل مخرج حدیث ہیں، اور ان کی بیان کردہ یہ سند صحیح ہے، لہذا ان کی زیادت مقبول ہے، کیونکہ ثقہ کی زیادت اگر ثقافت یا اوثق کے خلاف نہ ہو تو مقبول ہوتی ہے (دیکھئے الکفایہ فی علم الروایہ ص ۴۴۴-۴۴۹ للخطیب البغدادی) اور اگر امام بیہقی کہیں کہ ”رواہ البخاری“ تو اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ اس حدیث کی اصل صحیح بخاری میں موجود ہے (دیکھئے مقدمہ ابن الصلاح ص ۳۱ مع شرح العراقي)

(۳) عطاء بن میناء مولیٰ ابن ابی ذباب: آپ صحاح ستہ کے راوی ہیں، امام العجلی نے کہا: ”(مدنی)

تابعی ثقہ“ (تاریخ الثقات: ۱۱۳۳) امام ابن حبان نے آپ کی توثیق کی، بعض علماء نے آپ کو صدوق اور بعض نے کان من أصلح الناس قرار دیا۔ (دیکھئے تہذیب التہذیب: ۱۹۳/۷) لہذا آپ ثقہ و صدوق ہیں۔ آپ سے سعید بن ابی سعد المقبری اور ان سے لیث بن سعد اور ابن اسحاق نے یہ روایت بیان کی ہے۔

الف: لیث بن سعد: (صحیح مسلم: ۱۵۵، صحیح ابن حبان: ۶۷۷، الشریعۃ جری ص ۳۸۰، مشکل الآثار: ۲۸/۱) صحیح مسلم میں اس حدیث کے الفاظ درج ذیل ہیں۔

”والله لينزلن ابن مریم حکماً عادلاً فليکسرن الصليب وليقتلن الخنزير وليضعن

الجزية ولتتركن القلاص فلا يسعى عليها ولتذهبن الشحناء والتباغض والتحاسد وليدعون

إلى المال فلا يقبله أحد“

اللہ کی قسم ابن مریم ضرور نازل ہوں گے، وہ عدل کرنے والے حاکم ہوں گے، صلیب توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کر دیں گے اور جزیہ موقوف کر دیں گے، جو ان اونٹوں کو چھوڑ دیا جائے گا تو پھر کوئی ان سے بار برداری کا کام نہ لے گا، اور لوگوں

کے دلوں سے عداوت، بغض اور حسد ختم ہو جائے گا اور مال دینے کے لئے بلائیں گے تو کوئی بھی مال قبول نہ کرے گا۔
ب: محمد بن اسحاق: (المستدرک للحاکم: ۵۹۵/۲) اس کی سند محمد بن اسحاق کی تالیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔
(۴) سعید بن المقبری: امام ابو یعلیٰ الموصلی نے کہا:

”حدثنا أحمد بن عيسى حدثنا ابن وهب عن أبي صخر أن سعيداً المقبري أخبره أنه
سمع أبا هريرة يقول: سمعت رسول الله ﷺ يقول: والذى نفس أبى القاسم بيده
لينزلن عيسى بن مريم إماماً مقسطاً وحكماً عادلاً فليكسرن اتصليب وليقتلن الخنزير
وليصلحن ذات البين وليذهبن الشحناء وليعرضن عليه المال فلا يقبله ثم لئن قام على
قبري فقال: يا محمد لأجيبنه“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں ابوالقاسم کی جان ہے، عیسیٰ بن مریم (علیہا السلام) ضرور
امام منصف اور حاکم عادل بن کر نازل ہوں گے، پس آپ صلیب توڑ دیں گے اور خنزیر کو ہلاک کر دیں گے اور ایک
دوسرے سے ناراض باہم صلح کر لیں گے، اور عداوت ختم ہو جائے گی اور اس پر مال پیش کریں گے تو وہ اسے قبول نہیں
کرے گا، پھر اگر وہ میری قبر پر کھڑا ہوا اور کہا: اے محمد (ﷺ) تو میں (بطور معجزہ) ضرور اس کا جواب دوں گا۔
(مسند ابی یعلیٰ: ۴۶۲/۱۱: ح ۶۵۸۳)

اس کی سند حسن ہے اور اس کے تمام راوی جمہور کے نزدیک ثقہ و صدوق ہیں۔

(۵) حظلہ بن علی الاسلمی: آپ صحیح مسلم وغیرہ کے راوی اور ثقہ ہیں۔ (تقریب: ۱۵۸۴) آپ سے نزول مسج
کی حدیث امام زہری نے اور ان سے ایک جماعت مثلاً سفیان بن عیینہ، لیث، معمر، اوزاعی، یونس وغیرہم نے بیان کی ہے
دیکھئے صحیح مسلم (۱۲۵۲) مسند احمد (۵۴۰۲، ۲۴۰) تفسیر ابن جریر (۲۰۴/۳) مسند علی بن الجعد (۲۸۸۸) مسند الحمیدی (نسخہ دیوبندیہ
۱۰۰۵) الایمان لابن مندہ (۴۱۹) صحیح ابن حبان (۶۷۸۱) مصنف عبدالرزاق (۲۰۸۴۲) مصنف ابن ابی شیبہ (۱۴۳/۱۵)
مسند حمیدی میں زہری کے سماع کی تصریح موجود ہے۔ صحیح مسلم میں سفیان بن عیینہ کی زہری سے روایت کا متن یہ ہے:
”عن النبي ﷺ قال: والذى نفسى بيده، ليُهلن ابن مريم بفتح الروحاء حاجاً أو
معتماً أو ليشنئهما“

نبی اللہ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، بلاشبہ ابن ابی مریم روعاء کی گھاٹی میں حج یا عمرہ یا
دونوں کی لپیک کہیں گے۔

مسند احمد: ۲۹۰/۲ میں صحیح سند کے ساتھ درج ذیل الفاظ زیادہ ہیں:

”قال وتلا أبو هريرة: وإن من أهل الكتاب إلا ليؤمنن به قبل موته ويوم القيامة يكون

عليهم شهيداً، فرعم حنظلة إن أبا هريرة قال: يؤمن به قبل موته: عيسى، فلا أدري
هذا كله حديث النبي ﷺ أو شيء قاله أبو هريرة“

فرمایا: پھر ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) نے آیت پڑھی، اور (نزول مسیح کے بعد) تمام اہل کتاب (ابن مریم) کی موت سے پہلے
ضرور ان پر ایمان لائیں گے، اور قیامت کے دن وہ ان پر گواہ ہوں گے، پس حنظلہ نے گمان کیا: بے شک ابو ہریرہ (رضی
اللہ عنہ) نے فرمایا: کہ وہ عیسیٰ (علیہا السلام) کی موت سے پہلے ایمان لائے گا (لیکن) مجھے معلوم نہیں کہ یہ سارا متن
حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے یا کچھ (ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) کا کلام ہے۔ (مسند احمد: ۲۹۰/۲، ۲۹۱، ۲۹۰ ج ۸۹۰)

(۶) عبد الرحمن بن آدم: آپ صحیح مسلم کے راوی اور صدوق ہیں۔ (تقریب: ۳۷۹۶) آپ سے قتادہ
نے یہ حدیث بیان کی، مسند احمد میں آپ نے عبد الرحمن بن آدم سے سماع کی تصریح کر رکھی ہے۔

یہ حدیث درج ذیل کتابوں میں ہے۔

مسند احمد (۴۰۶/۲، ۴۳۷) سنن ابی داود (۴۳۲۴) مصنف ابن ابی شیبہ (ط جدیدہ ۶/۲۹۹ ج ۳۷۵۲۶) صحیح ابن
حبان (۶۷۷۵، ۶۷۸۲) مسند ابی داود الطیالسی (۲۵۷۵) تفسیر ابن جریر (۲۰۴/۳) مستدرک الحاکم (۵۹۵/۲)
وغیرہ۔ امام حاکم اور ذہبی نے اسے صحیح کہا۔
حدیث کا متن:

”الأنبياء (كلهم) إخوة لعلات دينهم واحد وأمها تهمة شتى وأنا أولى الناس بعيسى
ابن مريم لأنه لم يكن بيني وبينه نبي وإنه نازل فإذا رأيتموه فاعرفوه فانه رجل مربوط إلى
الحمرة والبياض سبط كأن رأسه يقطر وإن لم يصبه بلل بين مصرتين فيكسر
الصليب ويقتل الخنزير ويضع الجزية ويعطل الممل حتى يهلك الله في زمانه الممل
كلها غير الإسلام ويهلك الله في زمانه المسيح الدجال الكذاب وتقع الأمانة في
الأرض حتى ترتع الإبل مع الأسد جميعاً والنمور مع البقر والذئاب مع الغنم ويلعب
الصبيان أو الغلمان بالحيات لا يضر بعضهم بعضاً فيمكث ما شاء الله أن يمكث ثم
يتوفي فيصلى عليه المسلمون ويدفونونه“

(تمام) انبیاء علاقائی بھائی ہیں، ان کا دین ایک ہے۔ اور مانئیں (شریعتیں) انکی جدا جدا ہیں، اور لوگوں میں سب سے
زیادہ میں عیسیٰ بن مریم کے نزدیک ہوں، کیونکہ میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے اور بے شک وہ نازل
ہونے والے ہیں، پس جب تم ان کو دیکھ لو تو پہچان لینا، وہ ایک درمیانے قد کے سرخ و سفید رنگت والے آدمی ہیں، ان

کے بال سیدھے ہیں، گویا ابھی ان سے پانی ٹپکنے والا ہے، حالانکہ وہ بھگے ہوئے نہ ہوں گے، اور وہ دوز درنگ کے کپڑے پہنے ہوئے ہوں گے (وہ اسلام پر لوگوں سے جنگ کریں گے) پس وہ صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کر دیں گے اور جزیہ کو ختم کر دیں گے اور ملتیں (مذہب عالم) معطل ہو جائیں گے، یہاں تک کہ ان کے زمانے میں اللہ تعالیٰ اسلام کے سوا ساری ملتوں (مذہبوں) کو ہلاک (ختم) کر دے گا اور دجال اکبر، کذاب بھی انہی کے زمانے میں ہلاک ہو جائے گا، زمین میں امن واقع ہو جائے گا حتیٰ کہ اونٹ شیر کے ساتھ، چیتے اور گائیں، بھیڑیے اور بکریاں اکٹھا چریں گے، اور بچے یا لڑکے، سانپوں سے کھیلیں گے، لیکن ایک دوسرے کو کچھ نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ اللہ جتنا چاہے گا وہ (عیسیٰ بن مریم زندہ) رہیں گے پھر وہ وفات پا جائیں گے پس مسلمان (مسلمان) ان پر نماز جنازہ پڑھیں گے اور انہیں دفن کر دیں گے۔ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) (مسند احمد: ۴/۲۳۷، صحیح ابن حبان: ۶۷۸۲، والزیادۃ منہ) اس حدیث کی مزید تحقیق میں نے اپنی کتاب ”تخریج کتاب النہایہ فی الفتن والملاحم“ ص ۴۱۱ میں تفصیل کے ساتھ کی ہے، یہ کتاب عربی میں ہے اور ابھی تک طبع نہیں ہوئی، اللہم یرسلنا طبعہ

(۷) عبد الرحمن بن ابی عمرہ: آپ صحاح ستہ کے راوی ہیں، ابن حبان نے آپ کی توثیق کی ہے اور ابن سعد نے کہا: ”کان ثقة کثیر الحدیث“ (تہذیب التہذیب: ۲/۲۱۹، ۲۲۰) امام احمد بن حنبل نے حسن سند کے ساتھ ان سے عبد الرحمن بن آدم کی حدیث کا ایک قطعہ روایت کیا ہے:

”أنا أولى الناس بعيسى بن مريم في الدنيا والآخرة الأنبياء إخوة من علات، أمهاتهم

شتى ودينهم واحد“

میں عیسیٰ بن مریم (علیہا السلام) کے ساتھ دنیا و آخرت میں سب لوگوں سے زیادہ قریب ہوں، انبیاء علاتی بھائی ہیں ان کی شریعتیں علیحدہ علیحدہ ہیں اور ان کا دین ایک ہے۔

(۸) ولید بن رباح: آپ سنن ابی داؤد وغیرہ کے راوی ہیں۔ ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے ابوحاتم نے کہا: صالح اور بخاری نے کہا: حسن الحدیث (تہذیب التہذیب: ۱۱/۱۱۷) ابن حجر نے کہا: صدوق (تقریب: ۷/۴۲۲) اور حافظ ذہبی نے کہا: صدوق (الکاشف: ۲۰۹/۳) ولید سے کثیر بن زید الأسلمی نے اور کثیر سے ابوالاحمد الزبیری نے اور ان سے احمد بن حنبل نے یہ حدیث بیان کی ہے، کثیر بن زید: مختلف فیہ راوی ہے لیکن جمہور محدثین نے اس کی توثیق کی ہے لہذا وہ حسن الحدیث ہے۔ پس یہ سند حسن لذاتہ ہے۔

حدیث کا متن درج ذیل ہے:

”يوشك المسيح عيسى بن مريم أن ينزل حكماً قسطاً وإماماً عادلاً فيقتل الخنزير

ويكسر الصليب“

قریب ہے کہ عیسیٰ بن مریم (علیہا السلام) حاکم منصف اور امام عادل کی حیثیت سے نازل ہو جائیں، پس آپ خنزیر کو قتل کر دیں گے اور صلیب کو توڑ دیں گے..... الخ“ (مسند احمد: ۳۹۴/۲ ج ۹۱۱۰)

(۹) محمد بن سیرین: آپ صحاح ستہ کے مرکزی راوی اور ”ثقة ثبت عابد کبیر القدر“ ہیں (تقریب: ۵۹۴۷) آپ روایت بالمعنی کے قائل نہیں تھے، یہ موقف آپ کی کمال احتیاط کا ثبوت ہے، ورنہ صحیح یہ ہے کہ روایت بالمعنی بھی جائز ہے، (کما هو المصو ط فی کتب الاصول وغیرہا) آپ سے درج ذیل اشخاص نے یہ حدیث بیان کی۔

الف: سلیمان بن ابی سلیمان (الکامل لابن عدی: ۱۱۱۱/۳)
ب: ابن عون (المعجم الصغیر للطبرانی: ۳۴۱/۱، المعجم الاوسط: ۱۸۳/۲ ج ۱۳۳۱)
ج: هشام بن حسان (مسند احمد: ۳۱۱/۲ ج ۹۳۱۲، واسنادہ صحیح علی شرط الشیخین)

ہشام کی روایت کا متن:

”عن النبی ﷺ قال: یوشک من عاش منکم أن یلقى عیسیٰ بن مریم إماماً مہدیاً وحکماً عادلاً فیکسر الصلیب و یقتل الخنزیر و یضع الجزية و تضع الحرب أوزارها“ نبی ﷺ نے فرمایا: قریب ہے کہ تم میں سے جو زندہ رہے، عیسیٰ بن مریم (علیہا السلام) سے اس حال میں ملاقات کرے کہ وہ امام مہدی اور حاکم عادل ہوں، پس آپ صلیب توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کر دیں گے، جزیہ موقوف کر دیں گے اور جنگ ختم ہو جائے گی۔ (۳۱۱/۲ ج ۹۳۱۲)

(۱۰) زیاد بن سعد: آپ کو ابن حبان نے کتاب الثقات (ج ۴ ص ۲۵۵) امام بخاری نے (التاریخ الکبیر: ۳۵/۳) اور ابن ابی حاتم نے (المجرع والتعذیل: ۵۳۳/۳) میں اسے ذکر کیا ہے، اور جرح یا تعدیل کچھ بھی نہیں لائے، حافظ ابن کثیر نے اس کی درج ذیل حدیث کے بارے میں کہا:

”تفرد به أحمد وإسنادہ جید قوي صالح“ (التحایہ فی الفتن والملاحم: ۱۸۵/۱)

زیاد کی روایت کے الفاظ درج ذیل ہیں:

”ینزل عیسیٰ بن مریم إماماً عادلاً وحکماً مقسطاً فیکسر الصلیب و یقتل الخنزیر و یرجع السلم و یتخذ السیوف مناجل و تذهب حمة کل ذات حمة و تنزل السماء رزقها و تخرج الأرض برکتها حتی یلعب الصبی بالنعبان فلا یضره و یراعی الغنم الذئب فلا یضرها و یراعی الأسد البقر فلا یضرها“

عیسیٰ بن مریم (علیہا السلام) امام عادل اور حاکم منصف کی حیثیت سے نازل ہوں گے، آپ صلیب توڑیں گے، آپ

خزیر کو قتل کر دیں گے۔ اور سلامتی کا دور دورہ ہوگا، اور تلواروں کی درانگیاں بنائی جائیں گی، اور ہر خواہش کرنے والے کی خواہش ختم ہو جائے گی، اور آسمان اپنا رزق اتارے گا اور زمین اپنی برکتیں نکال دے گی، یہاں تک کہ چھوٹا بچہ اڑدھا کے ساتھ کھیلے گا اور وہ اسے نقصان نہیں پہنچائے گا، اور بھیڑیں، بھیڑیا کے ساتھ اکٹھی چریں گی، اور وہ انہیں نقصان نہ پہنچائے گا، اور شیر، گائے کے ساتھ چرے گا، وہ اسے نقصان نہیں پہنچائے گا۔

(مسند احمد: ۲/۲۸۲، ۲/۲۸۳، واللفظ لہ، التاریخ الکبیر للبخاری: ۳/۳۵۷)

(۱۱) کلیب بن شہاب : آپ سنن اربعہ کے راوی اور صدوق ہیں۔ (تقریب: ۵۶۶۰)

امام ابوبکر المز ار نے کہا:

” حدثنا علي بن المنذر ثنا محمد بن فضيل عن عاصم بن كليب عن أبيه عن

أبي هريرة قال: سمعت أبا القاسم الصادق المصدق يقول: يخرج الأعور الدجال، مسيح

الضلالة، قبل المشرق في زمن اختلاف من الناس وفرقة، فيبلغ ما شاء الله أن يبلغ من

الأرض في أربعين يوماً، الله أعلم ما مقدارها؟ فيلقى المؤمنون شدة شديدة ثم ينزل

عيسى بن مريم ﷺ من السماء فيقوم الناس فإذا رفع رأسه من ركعته قال: سمع الله

لمن حمده قتل الله المسيح الدجال وظهر المؤمنون فأحلف أن رسول الله ﷺ أبا

القاسم الصادق والمصدق ﷺ قال: إنه لحق وإما أنه قريب فكل ما هو آت قريب “

نبی ﷺ نے فرمایا: لوگوں کے اختلاف اور فرقہ کے وقت مشرق سے مسیح ضلالت، کا نادر جال نکلتے گا، چالیس دنوں میں

وہ زمین پر وہاں تک پہنچ جائے گا جہاں اللہ چاہے گا، اللہ ہی جانتا ہے اس کی مقدار کیا ہے؟ مؤمنوں کو بڑی مصیبت

پہنچے گی، پھر عیسیٰ بن مریم ﷺ آسمان سے نازل ہوں گے، پس لوگ (نماز کے لئے) کھڑے ہوں گے، آپ جب

رکعت سے سر اٹھا کر سب اللہ لمن حمدہ (کہنے کے بعد) قتل اللہ المسیح الدجال وظہر المؤمنون (بطور دعا) کہیں گے، اللہ نے اپنے

بندے کی حمد کی، اللہ تعالیٰ مسیح دجال کو قتل کرے، اور مؤمنوں کو فتح نصیب ہو، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے قسم اٹھا کر کہا: کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یقیناً وہ حق اور قریب ہے، پس ہر وہ چیز جو آنے والی ہے وہ قریب ہے۔

(کشف الاستار عن زوائد المز ار: ۲/۱۴۲، ۲/۱۴۳، واللفظ لہ، صحیح ابن حبان: ۳/۶۷۷، باختلاف لیبر، وقال

البیہقی فی مجمع الزوائد: ”رواہ المز ار و رجالہ رجال الصحیح غیر علی ابن المنذر و وثوقہ“)

(۱۲) رجل من بنی حنیفہ: یہ رجل نامعلوم ہے، اور اس کا شاگرد عمران بن ظہیان ضعیف ہے، لہذا اس کے

متن کو یہاں درج کرنا میرے نزدیک مناسب نہیں ہے، یہ روایت مسند الحمیدی (نسخہ طہریہ: ج ۱۰/۴) میں ہے۔ نیز

دیکھئے مسند الحمیدی تحقیقی ص ۴۶ (مخطوطہ) (جاری ہے)

ابوالعباس حافظ شیر محمد

علماء حق سے محبت

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿يَرْفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ ط﴾

تم میں سے ایمان والوں اور علم والوں کے درجے، اللہ بلند فرمائے گا۔ [المجادلہ: ۱۱]

معلوم ہوا کہ اہل ایمان علماء (علماء حق) کو عام مؤمنین و مسلمین پر برتری و فضیلت حاصل ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿أَنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ط﴾

اللہ سے اس کے بندوں میں صرف علماء ہی (سب سے زیادہ) ڈرتے ہیں [فاطر: ۲۸]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”إن الله يرفع بهذا الكتاب أقواماً ويضع به آخرين“ اس کتاب (قرآن) کے (علم و عمل کے) ساتھ، اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کو (فضیلت کے ساتھ) اٹھائے گا اور کچھ کو گرا دے گا۔

(صحیح مسلم: ۲۶۹/۸۱۷ و ترقیم دار السلام: ۱۸۹۷)

آپ ﷺ نے فرمایا: ”فضل العالم على العابد كفضلي على أدناكم“

جس طرح مجھے تم لوگوں پر فضیلت حاصل ہے، اسی طرح (ہر) عالم کو (ہر) عابد پر فضیلت حاصل ہے

(سنن الترمذی ج: ۲۶۸۵ و قال: ”حسن غریب صحیح“، أضواء المصباح: ۲۱۳ و قال: اسنادہ حسن)

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ: ”لیس منامن لم یجل کبیرنا ویرحم صغیرنا ویرفع لعالمنا حقہ“

جو شخص ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے، چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے (اہل حق) عالم کا حق نہ پہچانے، وہ ہم میں (یعنی

اہل حق میں) سے نہیں ہے۔ (مشکل الآثار للطحاوی: ۱۸۰ ج: ۱۳۳ و سندہ حسن)

آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ”البرکة مع اکابرکم“ برکت تمہارے اکابر کے ساتھ ہے

(المستدرک للحاکم: ۲۱۰ ج: ۲۱ و اتحاف المهر: ۶۰/۸۵۶۳ و شعب الایمان: ۱۱۰۰۵، و سندہ صحیح)

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ اہل حق (اہل سنت: اہل حدیث) علماء کو عام مسلمانوں پر فضیلت حاصل ہے لہذا ان کا احترام کرنا ضروری ہے۔

طاووس تابعی فرماتے ہیں:

”من السنة أن يو قر أربعة: العالم وذو الشيبة والسلطان والوالد، قال: ويقال: إن من الجفاء أن يدعو الرجل والده باسمه“

سنت یہ ہے کہ چار آدمیوں کی عزت و احترام (خاص طور پر) کرنا چاہئے (۱) عالم (۲) عمر رسیدہ بزرگ (۳) حاکم (۴) اور والد، کہا جاتا ہے کہ: یہ ظلم (اور گناہ) میں سے ہے کہ بیٹا اپنے باپ کا نام لے کر پکارے۔

(مصنف عبدالرزاق ۱۱/۱۳۷ ح ۳۳۰۲۱۰ وسندہ صحیح)

صحابہ کرام نبی ﷺ کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے، وہ آپ کے سامنے اس طرح بیٹھتے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں۔ (سنن ابی داؤد: ۳۸۵۵، إسناده صحیح، وصححه الترمذی: ۲۰۳۸ والحاکم: ۳۹۹۴ ووافقه الذہبی) قاضی فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”عالم عامل معلم يدعى كبيراً في ملكوت السموات“

عالم باعل، معلم آسمانوں کی مملکت میں بڑا سمجھا جاتا ہے۔ (الترمذی: ۲۶۸۵ وسندہ صحیح)

درج بالا دیگر نصوص شرعیہ کو مد نظر رکھتے ہوئے عوام کے لئے چند اہم باتیں پیش خدمت ہیں:

۱: ہر عوامی لاعلم پر ضروری ہے کہ وہ صحیح العقیدہ علمائے حق میں سے، عالم باعل کا انتخاب کر کے، اس کے پاس جائے اور مسئلہ پوچھے۔

۲: علمائے سوء سے بچنا واجب ہے کہ کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا:

”من وقر صاحب بدعة فقد أعان على هدم الإسلام“ جس نے کسی بدعتی کی تعظیم (وعزت) کی تو اس نے اسلام کے گرانے میں مدد کی (کتاب الشریعہ لکھنؤ ج ۱ ص ۹۶۲ ح ۲۰۴۰ سندہ صحیح) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

”إنكم في زمان: الصلوة فيه طويلة والخطبة فيه قصيرة و علماء كثير و خطباء قليل، وسيأتي عليك

زمان: الصلوة فيه قصيرة والخطبة فيه طويلة، خطباء ه كثير و علماء قليل“

تم ایسے زمانے میں ہو کہ (جمعہ کی) نماز لمبی اور خطبہ چھوٹا (مختصر) ہوتا ہے، علماء زیادہ ہیں اور (قصہ گو) خطیب حضرات کم ہیں، تجھ پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ (جمعہ کی) نماز مختصر اور خطبہ لمبا ہوگا، (قصہ گو) خطیب حضرات زیادہ ہوں گے اور (حقیقی) علماء کم ہوں گے۔ الخ (المعجم الکبیر للطبرانی ج ۹ ص ۱۱۳ ح ۸۵۶۷ وسندہ صحیح)

۳: عالم سے سوال انتہائی احترام اور ادب سے پوچھا جائے کہ: کتاب وسنت اور دلیل سے جواب دیں۔

۴: عالم کا نام لے کر پکارنے کی بجائے ”شیخ صاحب“ وغیرہ کے الفاظ ادب استعمال کئے جائیں۔ یحییٰ بن یعمر (تابعی) نے جب سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مسئلہ پوچھا تھا تو فرمایا:

”یا ابا عبد الرحمن“ اے ابو عبد الرحمن (صحیح مسلم: ۸/۹۳) یعنی آپ کا نام لینے سے اجتناب کیا۔

۵: عالم کے سامنے ہنسنے، آنکھ مارنے اور شور مچانے سے مکمل اجتناب کیا جائے۔

عبد الرحمن بن مہدی کی مجلس میں ایک آدمی ہنس پڑا تو انہوں نے فرمایا: ”لا حدثکم شہراً“ میں تمہیں ایک مہینہ حدیثیں نہیں سناؤں گا (الجامع لأخلاق الراوی وأدب السامع للخطیب ج ۱ ص ۱۹۳ ح ۳۲۵ سندہ صحیح)

۶: علمائے حق رسول اللہ ﷺ کے صحیح وارث اور اولیاء اللہ ہیں امیر المؤمنین فی الحدیث، امام بخاری فرماتے ہیں:

”وأن العلماء هم ورثة الأنبياء، ورثوا العلم“ اور بے شک علماء: انبیاء کے وارث ہیں، انہوں نے علم کا ورثہ پایا ہے۔ (صحیح البخاری، کتاب العلم باب ۱۰ قبل ح ۶۸)

علمائے حق سے دشمنی اور بغض نہیں کرنا چاہئے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”إن الله قال: من عادى لي ولياً فقد آذنته بالحرب“

بے شک اللہ نے فرمایا: جس شخص نے میرے کسی ولی (دوست) سے دشمنی رکھی تو میں اس شخص کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہوں۔ (صحیح البخاری: ۶۵۰۲)

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: چار آدمیوں سے علم حاصل نہیں کرنا چاہئے

(۱) بے وقوف، جس کی بے وقوفی علانیہ ہو (۲) کذاب (۳) بدعتی جو اپنی بدعت کی طرف دعوت دیتا ہو (۴) نیک آدمی جسے حدیث کا کچھ بھی پتہ نہ ہو (کتاب الضعفاء للعقيلي: ۱۳۱/۱۳۲ سندہ صحیح)

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں علمائے حق کی محبت بھر دے، آمین

تنبیہ: ان مضامین میں احادیث کی تحقیق میرے استاد محترم شیخ ابوطاہر حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کی ہوتی ہے۔